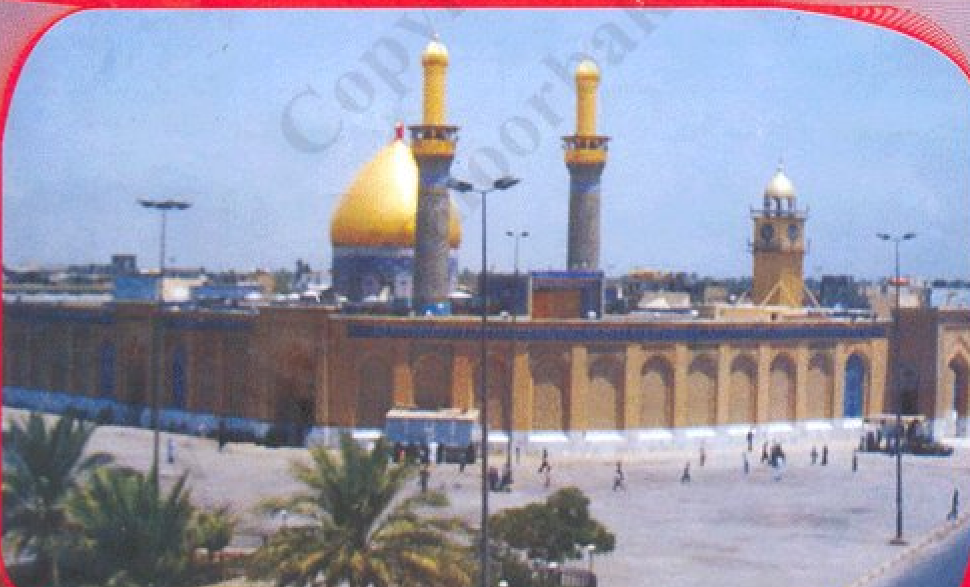
ماہنامہ

نوائے صوفیہ انٹرنیشنل

اسلام آباد

شمارہ نمبر 114 | محرّم نامہ | قیمت -/45 روپے | دسمبر 2012ء



روضہ مبارک شہید کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احیائے تصوف کا علمبردار اور اتحاد بین المسلمین کا نقیب

شمارہ : 114	دسمبر 2012ء	ہدیہ: 45 روپے

مدیر

ابوالعرفان علامہ محمد بشیر

کمپوزکاری و ڈیزائن کاری

تصوف نیشنل لائبریری علی پور اسلام آباد

اہتمام

نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن پاکستان

پتہ

A-358، سیکٹر G-6/1-1، اسلام آباد، پاکستان

ای میل ایڈریس

مضامین، خبریں وخطوط بذریعہ emial بھی بھیج سکتے ہیں

nawaesufia_intl@yahoo.com

http://www.nyfpk.org/Nawa-i-eSufia.php

اکاؤنٹ نمبر

چیک ڈرافٹ بنام ماہنامہ نوائے صوفیہ اکاؤنٹ نمبر 8-1773-010،

UBL سیکریٹریٹ برانچ، اسلام آباد

ادارے کا مضمون نگاروں اور نامہ نگاروں کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ایڈیٹر اینڈ پبلشر ایم بشیر نے امتر گرافک پرنٹر، آئی ایٹ فور، اسلام آباد سے چھپوا کر دفتر نوائے صوفیہ A-358، G-6/1-1، اسلام آباد سے شائع کیا۔

فہرستِ مضامین

سلام

علی احمد قمر

نظروں کے سامنے ہے ترا سانحہ حسینؑ
تازہ ہے اب بھی واقعۂ کربلا حسینؑ

تاریکیوں میں نور کی روشن ضیا حسینؑ
ہیں رہگذر حق میں سرِ قافلہ حسینؑ

کیا کیا صعوبتیں نہ سہیں اہلِ بیت نے
صبر آزما تھا کتنا ہر اک مرحلہ حسینؑ

تاحشر جس کی مل نہ سکے گی کوئی نظیر
خون دے کے اپنا، کام تو ہی کر گیا حسینؑ

خونِ جوانِ اکبرؑ و قاسمؑ کا ذکر کیا
معصوم کربلا بھی ترے ساتھ تھا حسینؑ

پردہ نشین تھیں جو، سرِ عام آگئیں
کس بے کسی میں ترا لٹا قافلہ حسینؑ

خون رو رہے ہیں کوچہ و بازار شام کے
گھر گھر میں اب بھی ہے ترا ماتم بپا حسینؑ

مٹ کر شہید زندہ و جاوید ہو گیا
کیوں کر لکھوں کہ کیا ہے ترا مرتبہ حسینؑ

☆☆☆☆☆

بحضور مولا حسینؑ

ذاکر حسین ذاکر

مجھے کربلا بلا لو روضے پہ اپنے آقا
دم واپسیں ہو میرا اور سر بہ در شفا ہو

رنج فراق میں پھر آنکھوں سے خوں رواں ہے
کبھی خواب میں ہی آقا بہر خدا لقا ہو

اسمِ حسینؑ لب پہ ہو وقتِ نزع یا رب!
اس نام سے منور دل دردِ آشنا ہو

مرے دل کی دھڑکنیں بھی کریں تیری نوحہ خوانی
مرا جسم نینوا ہو مری روح کربلا ہو

دین کا چمن جو تو نے اصغرؑ کے خون سے سینچا
شاداب، خوشنما ہو سرسبز و پر فضا ہو

مولا ترے جگر کے زخموں کا حال سن کر
چھلنی ہوا میرا دل جاں تجھ پہ یہ فدا ہو

ہے یہی مری شہادت کہ وہیں پہ جان دے دوں
جہاں اسمِ پاک اکبرؑ پس مرگ آسرا ہو

اے عاشقوں کے سلطاں کر مجھ پہ آشکارا
وہی سر عشق یزداں مرے دکھ کی جو دوا ہو

نہیں تاب صبر مجھ میں فرقت کی زندگی پہ
مجھے کربلا بلا لو کہ کبھی تری لقا ہو

ذاکر فغان شب میں کر لو یہی دعا بس
دردِ جگر کو یا رب اسمِ حسینؑ شفا ہو

تفکر و تذکر

ہماری شناخت۔مذہب صوفیہ

اداریہ

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام

'یقیناً اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین اسلام ہی ہے۔'

ماہنامہ نوائے صوفیہ انٹرنیشنل کے گزشتہ شمارے میں 'ہماری شناخت' کے زیر عنوان مذہب صوفیہ کے تعارف کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ کی تلاشِ حق کی کہانی گزشتہ شمارے میں بیان کی جا چکی ہے۔ کتاب 'العروہ لاھل الخلوہ والجلوہ' کے دوسرے اور تیسرے باب میں حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ نے اپنے عظیم مرشد حضرت شیخ عبدالرحمن اسفرائنیؒ سے اپنی بیعت کا ذکر تفصیل سے تحریر فرمایا ہے کہ سلسلۃ الذہب الصوفیہ کے طریقے کے مطابق حضرت شیخ کی تعلیم کردہ کلمہ پاک لا الہ الا اللہ کے ذکر خفی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے کس طرح آپ کی خاطر ہدایت کو ارزانی فرمایا۔

مذہب صوفیہ کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے صاحب 'مرآۃ الاسرار' نے فرمایا ہے کہ اس جماعت کے احکام کی بنیاد حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور متابعت اور اہل بیت علیہم السلام اور صحابہ کرام کی روش پر ہے جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اھل بیتی کمثل سفینة النوح یعنی میرے اہل بیت حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح نجات کا ذریعہ ہیں۔ پس یہ گروہ صراط مستقیم پر ہے اور افراط وتفریط سے پرہیز کرتا ہے۔ انہوں نے اپنے دل کو تعصب کے میل سے پاک کر لیا ہے اور تقلید کی تنگنا سے گزر کر خالص تحقیق کی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔

ز تقلید و تعصب بر طرف باش
ز لوح دل خیال ہر دو بتراش
تعصب از ہوائے نفس خیزد
ز تقلید آبروئے خلق ریزد
تعصب سالکان را بند راہ ہست
رہ تقلید از راہ تباہ است

تقلید اور تعصب سے دور رہنا اور اپنے لوح دل کو ان دونوں چیزوں سے صاف رکھنا چاہیے کیونکہ تعصب نفس کی خواہش سے ابھرتا ہے اور اندھی تقلید انسان کی آبرو کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ تعصب سالکان راہِ خدا کے لیے سد راہ ہے اور اندھی تقلید تباہی کا راستہ ہے۔ پس اہل صوفیہ کا راستہ تو حیدِ خالص کا راستہ ہے جو ہر طرح کے تعصب اور تنگ نظری سے یکسر پاک ہے۔ جو لوگ توفیق خداوندی سے اندھی تقلید سے نکل کر فکر راست اور صحیح تحقیق سے اس راستے تک پہنچے وہی ناجی ہیں، جب کہ دیگر فرقے قیل وقال اور افسانہ وافسوں میں پڑے ہیں جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازیؒ نے فرمایا:

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چون ندیدند حقیقت ہمہ افسانہ زدند

صاحب کتاب مزید فرماتے ہیں کہ اہل تصوف کے مذہب کے قواعد زیادہ قوی ہیں کیونکہ دوسرے مذاہب والے اصحاب نقل واثر ہیں یا ارباب عقل وفکر ہیں لیکن مشائخ صوفیہ کا طائفہ اس سے آگے گزر گیا ہے۔ جو کچھ دوسروں کے لیے غیب ہے، ان کے لیے ظاہر ہے اور جو کچھ دوسروں کے لیے استدلال ہے، ان کے لیے کشف ہے۔ نیز مذہب اہل تصوف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں اور یہ شریعت ہے۔ اہل تصوف کے مذہب کا باطن یہ ہے کہ وہ ہمیشہ احوال ومقامات میں رہتے ہیں اور یہ مذہب کی حقیقت ہے یعنی باطن میں صوفی کا حق تعالیٰ جلیس ہوتا ہے۔ مشائخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص طریقت اور فقر کا حامل ہو وہ ہمیشہ اپنے شیخ کے مذہب پر ہوتا ہے، چنانچہ سلطان العارفین بایزید

بسطامی قدس سرہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر تھے۔ اور طریقت میں مرید کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ اپنے شیخ کے سوا کسی دوسرے کے مذہب پر ہو۔ چنانچہ تمام اولیاء اللہ اپنے پیروں کے مذہب پر رہے اور عبادات و عقائد اور باطنی امور میں اپنے مشائخ کے نقش قدم پر چلتے رہے اور اپنے مشائخ کے مشرب کے خلاف کسی کی اقتدا نہیں کی۔ کتب تصوف میں یہ بات صراحت سے لکھی ہوئی ہے کہ صوفیائے کرام کا اپنے مشائخ کے مذہب اور مشرب کے علاوہ کوئی مذہب اور مشرب نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے مسلک کی بنا نصوص یعنی قرآن و حدیث پر ہوتی ہے، ائمہ فقہ کے اقوال پر نہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے الصوفی لا مذہب لہ' یعنی صوفی ائمہ فقہ میں سے کسی کی تقلید کا پابند نہیں ہوتا۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد ہمارے لیے مذہب صوفیہ نوربخشیہ کے تشخص کا تعین بھی نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ یعنی غوث الاعظم امام العالم حضرت میر سید محمد نوربخش قہستانی نور اللہ مرقدہٗ و اعلی اللہ مقامہ جب سلسلۃ الذہب الصوفیہ کے صاحب مسلک بزرگ ہیں اور آپ نے مجموعہ شریعت محمدیہ کماں کماں فی زمانہ اہل عالم تک پہنچایا ہے، آپ کا مذہب بعینہٖ وہی مذہب ہے جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امام الاولیاء حضرت علی ابن ابی طالب علیہم السلام اور دیگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا مذہب ہے اور جو شاہ خراسان حضرت امام علی الرضا علیہ السلام کے در اقدس کی دربانی کی برکت سے حضرت شیخ معروف کرخیؒ اور دیگر مشائخ پاک سلسلۃ الذہب الصوفیہ نوربخشیہ کی وساطت سے یداً بید حضرت میر سید محمد نوربخش علیہ الرحمہ تک پہنچا اور اسی مسلک کے مسائل کو آپ نے اپنی عظیم الشان فقہی تصنیف 'الفقہ الاحوط' میں مندرج فرمایا اور یہ عین وہی شریعت محمدیہؐ ہے جو خود شارع علیہ السلام کے دور مبارک میں موجود تھی اور جس کو خالق کائنات کی طرف سے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت لکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا کی سند ملی ہوئی ہے۔ چنانچہ شیخ فرید الدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے بعد میں نے اس طائفے کے کلام کو بہترین پایا اور ان کے جملہ اقوال کو قرآن و حدیث کی شرح پایا، پس اپنے آپ کو اسی شغل میں ڈال دیا تا کہ اگر ان میں سے ہوں تو ان کی تشبیہ مجھ پر لازم ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منہ جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے مریدین میں سے ہیں۔

صاحب کتاب مزید لکھتے ہیں ہیں کہ ایک دن آنحضرت علیہ السلام مغموم بیٹھے تھے کہ ہر شخص مجھ سے احکام شریعت کے متعلق دریافت کرتا ہے اور اسرار باطن کے متعلق کچھ نہیں پوچھتا، شاید یہ راز ہمارے ساتھ ہی چلا جائے گا لیکن اذا اراد اللہ شیئا فھی اسبابہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے اسباب پیدا فرماتا ہے کے مصداق اسی وقت اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری متابعت تو کر لی ہے لیکن انہوں نے اپنے احوال باطن کے بارے میں کوئی تعلیم نہیں دی تا کہ متابعت باطنی سے بہرہ ور ہوتا۔ پس کمال صدق و اخلاص کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر سوال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے کہ مجھے اسی طرح حکم تھا کہ بغیر طالب صادق کے یہ راز کسی کو تعلیم نہ کیا جائے۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ راز حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا یا علی انت نظیری ای مثلی فی الولایت التی ھی معائنۃ الحق اے علیؑ! تو میری مانند ہے میری ولایت میں کہ یہ ولایت معائنہ حق ہے۔ پس وہ راز حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرقہ صوفیہ تک پہنچا۔ پس تصوف عین اسلام ہے اور سالک کو صدق دل سے جاننا چاہیے کہ صوفیہ کرام کی متابعت صوری اور معنوی طور پر عین متابعت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اور طالب راہ حق کو چاہیے کہ صوفیاء کرام کے احوال و عقائد کو سمجھے اور ان کے قدم بہ قدم صراط مستقیم پر سلوک تمام کرے اور اسی حقیقت کو حضرت شیخ محی الدین عربیؒ نے فتوحات مکیہ میں اور حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ نے بلاکم و

کاست اپنی کتاب العروۃ لاھل الخلوۃ والجلوۃ کے باب ششم میں بطریق احسن بیان فرمایا ہے۔

صاحب کتاب مزید فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ گلیم سیاہ بطناً بعد بطن دست بدست بطریق وراثت و اجازت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی۔ اسی وجہ سے وہ گلیم سیاہ (کالی کملی) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو کر زیب تن فرمایا کرتے تھے اور اسی وجہ سے آپؐ نے ملت ابراہیمی کی اقتداء فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا قول قل بل نتبع ملة ابراهيم حنيفا اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ گلیم سیاہ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کو عطا فرمائی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے علی خلفتی علیکم فی حیاتی و مماتی یعنی اے علیؑ میں نے تم کو اپنا خلیفہ بنایا اپنی حیات میں اور ممات میں۔

چنانچہ حضرت میر محمد نوربخش علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب میں فرمایا ہے کہ حضرت مولائے متقیان علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی خلافت ظاہری، خلافت باطنی اور خلافت علی منہاج النبوۃ کے جامع ہیں۔ نیز رسالہ اعتقادیہ میں آپ نے فرمایا کہ امامت حقیقی کی جملہ خصوصیات بہمہ کمال وتمام حضرت علی علیہ السلام کی ذات برکات میں ہی جمع ہوئی ہیں۔

امام صوفیہ میدان کربلا میں:

سلسلۃ الذہب الصوفیہ کے جملہ مشائخ نے اپنے خرقۂ باطنی کے سلسلے کو حضرت مولائے متقیان علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعد شہید کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام تک اور پھر یہ بیدائمۂ اہل بیت کی وساطت سے حضرت علی الرضا علیہ السلام تک پہنچایا ہے اور اسی وساطت سے مشائخ سلسلۃ الذہب الصوفیہ تک یہ وراثت پہنچی ہے۔

حضرت شہید کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام نے ملت ابراہیمؑ اور دین اسلام کی اس عظیم وراثت کو جو آپ کو اپنے عظیم نانا حضرت سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عظیم والد مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے منتقل ہوئی تھی جب خطرے میں پایا تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دین حق کے تحفظ کے لیے اپنے اہل بیت اور جاں نثار ساتھیوں سمیت میدان کربلا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور اس عظیم وراثت کو معدوم ہونے سے بچا کر زندۂ جاوید بنا دیا۔ اسلام کا سواد اعظم اس حقیقت پر متفق ہے کہ حضرت امام عالی مقام کی شہادت عظمیٰ کا مقصد دنیوی اقتدار نہیں بلکہ دین اسلام کی حفاظت اور اس کی سربلندی تھا۔ حسینؑ صوفیہ اہل صفا کے امام ہیں اور آپ کی شہادت کا سب سے بڑا سبق امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور قیام صلوۃ ہے۔

حضرت امام عالی مقام علیہ السلام اپنی شہادت سے قبل اس عظیم وراثت کو حضرت علی ابن الحسین امام زین العابدین علیہ السلام کے سپرد کر گئے جو کثرت عبادت خداوندی کے باعث ہی زین العابدین مشہور ہوئے۔

'ناجیہ' میں جو سید السجاد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منسوب ہے، آپ شہید کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام کے خصائص اور فضائل اور آپ کے پاک مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اشهد انك قدم اقمت الصلوة و آتيت الزكوة و امرت بالمعروف و نهيت عن المنكر و العدوان و اطعت الله ...... الخ

اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے نماز قائم فرمائی، زکوۃ دی، نیکی کا حکم دیا اور برائی اور سرکشی سے روکا۔ اور آپ نے اللہ کی اطاعت کی اور اس کی کبھی نافرمانی نہ کی اور اپنا اس سے رابطہ قائم رکھا اور اس کو انتہائی راضی رکھا اور اس سے ڈرتے رہے اور اس کی طرف متوجہ رہے اور اس کی رضا پر خوش رہے اور آپ نے سنت خدا اور رسول کو قائم کیا اور فتنوں کی آگ کو خاموش کر دیا اور لوگوں کو حق کی طرف دعوت دی اور حق کے راستوں کو واضح وظاہر کیا اور آپ

باقی صفحہ نمبر 12 پر

قرآنیات

قرآنِ مجید فرقانِ حمید

مولوی عبد الحمید

سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰیo اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی o وَنُیَسِّرُکَ لِلْیُسْرٰیo فَذَکِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰیo

مشکل الفاظ کے معانی:

سَنُقْرِئُکَ ہم آپ کو پڑھائیں گے

لَا تَنْسٰی تو نہیں بھولے گا	یَعْلَمُ وہ جانتا ہے
الْجَهْرَ جو ظاہر ہو	مَا یَخْفٰی جو پوشیدہ ہو
وَنُیَسِّرُکَ ہم آسان بنائیں گے	لِلْیُسْرٰی نصیحت

ترجمہ: اے حبیبِ مکرم ہم آپ کو ایسا پڑھائیں گے کہ آپ (کبھی) نہیں بھولیں گے۔ مگر جو اللہ چاہے بے شک وہ جہر وخفی یعنی ظاہر و پوشیدہ اور بلند و آہستہ سب باتوں کو جانتا ہے اور ہم آپ کو شریعت پر عمل ہونے کے لیے بھی سہولت فراہم کریں گے۔ پس آپ نصیحت فرماتے رہیں بشرطیکہ نصیحت (سننے والوں کو) فائدہ دے۔

(سورۃ اعلیٰ: ۶۔۹)

تشریح: گزشتہ آیات میں خالق کائنات کی عظمت اور مخلوق کو دی جانے والی فطری ہدایت کا ذکر ہوا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کی پرورش کا بندوبست فرماتا ہے تاکہ وہ انسان کے لیے کارآمد ہو۔ اب یہاں سے اللہ براہ راست نبی مکرمؐ سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں کہ آیات قرآنی اور احکامات قرآنی ہم خود آپ کو سکھائیں گے تو آپؐ کبھی بھولنے نہ پائیں گے۔

نبی اکرم کا معجزہ:

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت ہے کہ آپ کو حفظ قرآن کی نعمت بے محنت عطا ہوگی۔ یہ آپ کا معجزہ ہے کہ اتنی بڑی کتاب عظیم بغیر محنت و مشقت اور بغیر تکرار اور ورد کے آپ کو حفظ ہو گئی۔ الا ماشاء اللہ فرما کر استثناء فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو کچھ بھلا دیتا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ استثناء واقع نہیں ہوا اور آپؐ سے کچھ بھی بھولا نہیں گیا۔ جب قرآن مجید کی آیتیں اترتیں تو آپؐ جلدی جلدی پڑھنے کی کوشش کرتے تاکہ کچھ بھول نہ جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اس خدشے کو سنقرئک ہم (خود) آپ کو پڑھائیں گے فرما کر دور فرما دیا۔ نیز دوسری جگہ اسی مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے۔

لَاتُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗo فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗo

اے نبی مکرم آپ قرآن کو یاد کرنے کی جلدی میں اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں۔ بے شک اس قرآن کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور اسے (آپؐ کی زبان سے) پڑھانا ہمارا ذمہ ہے۔ پھر جب (زبان جبریل سے) پڑھ چکیں تو آپؐ اسے پڑھتے ہوئے اس کی پیروی کیا کریں۔ پھر اس کے معانی کا کھول کر بیان کرنا ہماری ذمہ ہے۔

مذکورہ دونوں آیتوں میں اللہ نے نبی کرم کو پڑھانے، یاد کرانے اور سینے میں محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ معانی کو سمجھانے کا ذمہ اپنا لیا ہے۔ تو جس ہستی کو اللہ خود پڑھائے اور سمجھائے تو اس کی علم وحکمت کی کیا مثال ہوگی۔ اس کی معرفت خداوندی کا کتنا مقام ہوگا۔ اس کے قرب کی کیا انتہا ہوگی۔ مگر دوسری طرف نبی اکرمؐ کی عجز و انکساری کا عالم دیکھیے کہ آپؐ ہمیشہ یہ التجا کرتے: سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ. سُبْحَانَكَ مَا شَكَرْنَاكَ حَقَّ شُكْرِكَ. سُبْحَانَكَ مَاذَكَرْنَاكَ حَقَّ ذِكْرِكَ. سُبْحَانَكَ مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ.

اے اللہ تیری ذات پاک ہے مجھ سے اتنی عبادت نہ ہو سکی جتنی تیری عبادت کا حق ہے۔ ہم سے تیرے شکر کا حق ادا نہ ہوا جتنی زیادہ شکر کا

حق ہے۔ ہم سے تیری ذکر کا حق ادا نہ ہو سکا جتنی تیری ذکر کا حق ہے۔ اور ہم سے تیری معرفت کا حق ادا نہ ہوا جتنی معرفت کا حق ہے۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى اللہ اس چیز اور شے کا بھی علم رکھتا ہے جسے بندہ ظاہر کرتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جسے بندہ پوشیدہ رکھتا ہے۔ اللہ بندے کے ظاہر و باطن دونوں سے واقف ہے۔ چنانچہ ایک اور آیت میں سے مذکورہ آیت کی یوں وضاحت ہوتی ہے۔ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ جو کچھ تم اپنے نفسوں کے اندر چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اس کا تم سے حساب لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ رب بندے کی نیک نیتی اور اچھی سوچ پر بھی اسے جزا عطا کرتا ہے۔ جو اس سے ابھی عملاً ادا نہ بھی ہوا ہو۔ مگر یہ اس کی کمال مہربانی ہے کہ بڑی سوچ اور حرف نیت پر اسے سزا نہیں دیتا۔ جب تک اس بندے سے گناہ یا غلطی عملاً سرزد نہ ہو۔ گناہ کے سرزد ہونے کے بعد بھی اس کے لیے توبہ اور معافی کا دروازہ کھلا رکھتا ہے تا کہ بندہ اپنی گناہوں اور کوتاہیوں پر احساس ندامت کے آنسو بہائے اور پھر رب کی رحمت کے سائے میں پناہ لے۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ: اس آیت کریمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت نے شریعت کا راستہ آسان بنا دیا ہے۔ کیونکہ اس کے قوانین فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ اس کی صلاحیتوں کے نشوونما میں بڑے معاون ثابت ہوتے ہیں لیکن جن لوگوں کا مزاج بگڑ چکا ہو انہیں دین کی طرف قدم اٹھانا اور شریعت پر عمل کرنا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک اور آیت میں اللہ نے یوں ارشاد فرمایا: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ.

جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے تقویٰ اختیار کرے اور حق بات کی تصدیق کرے ان کے لیے ہم شریعت کو آسان بنا دیتے ہیں۔ یا جنت کا راستہ اور جنت کے حصول کو آسان بنا دیتے ہیں وہ بغیر کسی ذہنی کوفت کے شریعت مطہرہ پر کھلے دل اور خوشی کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں۔

فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کا پیغام پہنچانے اور سمجھانے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف فرماتے۔ جب کوئی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا تو آپؐ کے قلب مبارک کو خوشی حاصل ہوتی اور دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ مگر جب کافی محنت صرف کرنے کے باوجود بھی کچھ ناخلف اور بدبخت اسلام کی دعوت قبول نہ کرتے تو آپؐ کافی فکرمند ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے فرمایا کہ آپؐ ان لوگوں کو نصیحت اور وعظ و تبلیغ فرمائیں جن سے بھلائی اور مثبت جواب کی امید ہے۔ اور جن کے بارے میں خیر اور نیکی کی طرف آنے کی امید نہ ہو ان پر اپنی توانائیاں صرف نہ کریں۔ اور انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیں اللہ تعالیٰ خود ان سے نمٹ لے گا۔

حضرت علاؤالدولہ سمنانیؒ اور آیات مذکورہ کی تفسیر:

اللہ تعالیٰ لطیفہ خفیہ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ ہم تجھے اس طرح حدود خداوندی بیان کریں گے کہ تو اس (خالق) دہر کی حقیقت ابدیت کو کبھی نہیں بھولے گا۔

الا ماشاء اللہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان حقائق اور اسرار کے بیان کی نفی کی ہے کہ اگر ان کو بیان کریں تو انسانی عقل جل جائے گی اور عالم سفلی کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى بے شک اللہ ظاہر قرآن کو بھی جانتا ہے اور باطنی قرآن کو بھی جانتا ہے۔ وہ ذات تیری ظاہری قوت کو بھی جانتا ہے اور باطنی قوت کو بھی۔ اور تجھے ظاہر و باطن دونوں معانی عطا کرتا ہے۔ اور تیری ظاہری و باطنی قوت کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور دل کے باطنی قوت کے مطابق اس پر معانی و معارف ثبت کرتا ہے۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ اے (نبی اکرمؐ) ہم تجھ پر جو لوح محفوظ میں ثبت ہے اس کو اٹھانے اور قرآت کو آسان کریں گے اور اس پر عمل کرنا بھی آسان بنا دیں گے۔ نیز تیرے لوح قلب پر جو قرآت قرآنی اتاری گئی ہے تو لوگوں کو سناتا ہے تو اس سے نفع دینا یا نہ دینا آپ کے ذمے نہیں ہے۔ آپ کے ذمے صرف احکام سنانا اور پہنچانا ہے۔

باقی صفحہ نمبر 17 پر

اھل بیت

امام الاولیاء حضرت علی ابن ابی طالبؑ

مولانا غلام حسن نوربخش

امام الاولیاء حضرت علی علیہ السلام کے والد گرامی کا نام عبد المناف مشہور بہ ابو طالب اور والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ آپؑ جمعہ 13 رجب 30 عام الفیل مطابق 600ء کو خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپؑ کے والد گرامی حضرت ابو طالب نے آپؑ کا نام زید، والدہ نے اسد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رکھا۔ ابوالحسن وابوتراب کنیت المرتضیٰ، اسد اللہ، حیدر کرار، ید اللہ اور ساقی کوثر وغیرہ القاب ہیں۔ آپ حضرت ابو طالب کے بیٹے، حضرت عبد المطلب کے پوتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی وداماد اور حضرت امام حسنؑ وامام حسینؑ کے والد گرامی تھے۔ آپ سے بکثرت کرامات کا صدور ہوا اور صدق وصفا کے پیکر، حق وصداقت کے حامی شرکت وبدعت کے ماحی قلم وتلوار کے دھنی، عبادت وریاضت کے شناور ایثار ومروت کا مجسمہ تھے۔ اوصاف وکمالات انسانی میں بے نظیر اور فضل وافتخار معنوی میں بے مثال تھے علاوہ ازیں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر وحضر میں ساتھی، جہاد وقتال میں مسلمانوں کا نگہبان خوف وخطر میں دین اسلام کا سہارا تھے۔ آپ 63 سال کی بھرپور زندگی گزارنے کے بعد بروز پیر 21 رمضان المبارک 40ھ کو عبد الرحمان ابن ملجم مرادی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ کوفہ اور کوفہ کے نواح میں ایک گمنام جگہ مدفون ہوئے آج تک نجف اشرف (عراق) میں آپ کا روضہ اطہر مرجع خلائق ہے۔ ۱

کلمات الثنا:

آپ کی فضائل ومناقب بے شمار ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اوصاف کمالیہ اور اخلاق حمیدہ سے سرفراز فرمایا تھا ہر قسم کی برائی اور اخلاق رذیلہ سے پاک وصاف فرمایا تھا ذیل میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں جن سے آپ کے فضائل ومناقب واضح ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ ان علیا منی و انا منہ و ھو ولی۔ تحقیق علی مجھ سے اور میں علی سے ہوں اور وہ ہر مومن کا کل مومن دوست ہے۔ ۲

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب میں اخوت (بھائی چارہ) قائم کر دیا علی آئے در انحالیکہ آنکھوں میں آنسو تھا اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان اخوت قائم کیا مجھ کو کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا

انت اخی فی الدنیا و الاخرۃ تم دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہو۔ ۳

۳۔ حضرت ام سلمیٰ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا یحب علیا منافق و لا یبغضہ مومن (مشکوۃ) علی سے منافق محبت نہیں کرتا اور مومن علی سے عداوت نہیں رکھتا۔

۴۔ حضرت سہیل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ خیبر کے دن فرمایا:

لا عطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ و رسولہ لا یرجع حتی یفتح علیہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دونگا جو اللہ و رسول کو دوست رکھے گا اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھے گا اور وہ واپس فتح کے بغیر نہیں آئے گا۔ ۴

۵۔ حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

النظر الی وجه علی عبادة علی کے چہرے کو (عقیدت سے) دیکھنا عبادت ہے۔ ۵

۶۔حضرت ام سلمہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

القران مع علی و علی مع القران قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن علی کے ساتھ ہے۔

ان چھ احادیث نبوی سے آپ کی قدر و منزلت اور فضائل و مناقب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے لہذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۷۔انا مدنیه العلم و علی بابها میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔۶

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھنا ہوا پرندہ تھا آپ نے دعا مانگی:

اللّٰهم اشتنی با حب خلقكَ الیكَ یا كل معی

اتنے میں علی آیا اور آپؐ نے علی کے ساتھ پرندے کا گوشت کھایا۔۷

محمد بن منصور رطوی کہتا ہے کہ احمد بن حنبل سے سنا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ:

ماورد لا حد من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من الفضا یل ماورد لعلی. تاریخ الاسلام ذہبی ص ۶۳۸، یعنی جو فضائل علی کے لئے ثابت ہیں وہ پیغمبرؐ کے اصحاب میں سے کسی کے لئے ثابت نہیں ہے۔

ابن عباس:

خدا کی قسم علی ہدایت کا علم، کائنات کی کان، عقل کا بلند پہاڑ، دانا کی قرارگاہ، سخاوت کا چشمہ، علم کا آخری مقام، تاریکی میں روشن نور، حجت عظمی کی طرف بلانے والے، مضبوط رسی کو پکڑنے والے، محمد مصطفیؐ کے بعد مشورہ اور رازداری کے بعد موقع پر زیادہ عزت والے ہیں۔آپ سے کسی نے فوقیت نہیں پائی میری آنکھوں نے آپ جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا۔۹

ضرار جتانی:

علی خواہشات سے دور رہتے تھے مضبوط جسم والے تھے بات دوٹوک فرماتے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے دونوں پہلو سے علم کے چشمے پھوٹتے۔دونوں پہلیوں سے دانائی سمندر بہتے دنیا اور اس کی زیبائش سے نفرت تھی رات اور رات کی تنہائی آپ کو پسند تھی خوف خدا میں زاروقطار رونے والے تھے بڑے منکسر تھے۔ ۱۰

عبدالرحمان چشتی:

آپ شیر خدا کے لقب سے ملقب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر وحی، تمام صوفیان اہل صفائے کے پیشوا، عشق و بلا کو سر پر اٹھانے والے، امام المشارق والمغارب۔۱۱

ڈاکٹر قاسم غنی:

علی حکیم بھی تھے وحلیم بھی، خداکار بھی تھے اور بردبار بھی، باادب اور مہربان بھی تھے اور جرأت مند بہادر بھی، سخی بھی تھے اور کریم بھی، مسند عدالت پر جلوہ افروز ہوتے تو ان سے زیادہ منصف نظر نہ آتا، آزادی پسند بھی تھے اور دوسروں کے لئے آزادی کو اہمیت دیتے تھے۔۱۲

ابن حجر مکی:

آپ ساق الاسلام علمائے ربانی، مشہور بہادروں، زاہدوں اور معروف خطیبوں سے ایک ہیں آپ ان جامعین القران میں سے ایک ہیں جنہوں نے قرآن پاک کو رسول کریمؐ کے حضور پیش کیا۔۱۳

ہر زمانے کے علماء و مشاہیر نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق آپ کی توصیف و تمدیح کی ہیں جن کا احصار ممکن نہیں ہے اس لئے ہم نے صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان ترجمان وحی سے مروی چند روایات نقل کئے ہیں ذیل میں چند منظوم کلمات الثناء پیش کئے جاتے ہیں

مولانا روم:

آفتاب وجود اهل صفا   وان امام متین ولی خدا
مومنان همه روروبا ودارند   که امیر است و بادی و مولا
آن اما می که قائم است الحق   در زمین و رمان و ارض و سما
عارفان راجمال و قدرت قدر   شادیٔ جان مردم عرفاء
ماهمه ذره ایم اور خورشید   ماهمه قطره ایم او دریا ۱۴

مولانا روم:

تا صورت پیوند جهان بود علی   تا نقش زمین بود زمان بودعلی بود
شاهی که ولی بودوصی بو علی بود   سلطان سخاوکرم وجود علی علی بود
آن شیردلاورکه برای طمع نفس   برخوان جهان پنجه بنا بود علی بود
هادون ولا یت ذہیں موسیٰ عمران   با شد علی بود علی بود علی بود ۱۵

عطار نیشاپوری:

خواجه حق پیشوائے راستین   کان علم وبحر حلم وقطب دین
ساقی کوثر امام و راهنما   ابن عم مصطفی شیر خدا
مرتضائے مجتبی جفت بتول   خواجه معصوم و داما درسول
دربیان رهنونی آمده   صاحب سرِسلونی آمده
مقتدی دین به استحقاق اوست   مفتی مطلق علی الا طلاق اوست ۱۶

اخوند سلطان علی بلخاری لکھتے ہیں:

علی غنچه باغ اولو الا مر   علی زبدة قوم خیر البشر
علی سرو آزاد گلزا ردین   علی نخل شمشاد دباغ یقین
علی نائب حجت کردگار   علی صاحب دلدل و ذوالفقار
بحر من کنت مولا علی است   زروا ل من کان والا علی است
شهنشاه ایوان ایمان علی است   سرافرازمیدان عرفان علی است ۱۷

شمس الدین لاہگی:

داری دلا هوای سلوک طریق حق   بایدقدم نهی به ره شاه لا فتیٰ
شاهی که از بلند قدرش خبر دهد   ایزدبه هل اتی و به تاکید انما
هرتذت ملك فقرچواوشاه مطلق است   شاهان فقرجمله بنده کرده افتدار
وصف کمااوست سَلُوْنِی وَلَوْ کُشِفَ کس رانبوده عرصهٔ این بعنایتیه ۱۸

عرفان رضوی:

اے حریم عرفاں اے گلستان حیات   اے شروائے تخت کبریا مولا علی
اے وجوم لدنی کان علم معرفت   اے ضیائے معارت شمع ہدا مولا علی
اے کہ ہے سیراب تجھ ہی سے ولایت کا شجر   اے طریق معرفت کے پیشوا مولا علی
اے علاج درد عصیاں اے شفا نیدودل   اے دوائے نکہت جاوجا مولا علی ۱۹

علامہ اقبال:

مرسل حق کرد نامش بوتراب   حق یدالله خواند درام الکتاب
هرکه دانائے رموز زندگی است   سر اسمائے علی داند که چیست
آز ولائے دود مانش زنده ام   در جهان مثل گهر تا بنده ام
مرتضی کرتیغ اوحق روشن است   بو تراب از فتح اقلیم تن است
مرد کشور گیر از کراری است   گو هر ش را آبرو خود داری است
هرکه در آفاق گرد بوتراب   با زگرد داندز مغرب آفتاب ۲۰

سید علی اختر:

خانہ زاد لامکاں مولا علی   عظمتوں کا آسمان مولا علی
پیشوائے دوجہاں مولا علی   حکمران انس و جان مولا علی
حق وہاں ہے ہے جہاں مولا علی   حق جہاں ہے ہے وہاں مولا علی
کہتے تھے محبوب حق مولا ہوں میں   بعد میرے ہے یہاں مولا علی

(جاری ہے ــــــ)

مراجع ومصادر:

1۔الغدیر 6ص 21۔38بحوالہ مروج الذھب 2ص 2۔مسعودی، السیرۃ النبویہ ج 1ص 10, نورالدین علی الحلبی الشافعی،تذکرۃ الخواص الائمہ ص 7 سبط ابن الجوزی المناقب،الامام محمد صالح الترمذی۔
2 تاریخ الاسلام ذہبی ص 628 3۔(حدیث مواخاۃ)
4۔(السبعین حدیث ۴) 5۔(السبعین حدیث ۳۰)
6۔(تاریخ الحق وکشف الصدق ۲۲اوبحوالہ صواعق محرقہ ۲۳،وذخائرعقبی ۷۷)
(تہذیب التہذیب ۶،۲۲۰/،لسان المیزان ج ۱۲۲۳،مراۃ الاسرار ۱۷۹۔)
7۔(علی مع الحق والحق یدور حیث دار بحوالہ تاریخ الکامل خطیب ج ۱۴ص ۳۲۱)
9۔ ایضاً ۳۲۷۔
10۔ (ینابیع المودۃ ۳۲۶) 11۔ (مراۃ الاسرار ۱۷۸)
12۔وحدت اسلامی ص ۱۱ شمارہ ۸۲ 13۔ صواعق محرقہ ۳۰۳
14۔(مراۃ الاسرار ص ۱۸۰) 15۔ (مراۃ الاسرار ص ۱۸۵)
16۔(تذکرۃ الاولیاء) 17۔(زادالجنان ۲۰۔۱۹)
18۔(مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز ۴۸۰)
19۔(صباح آرزو ۱۴۔۱۵) 20۔(ترجمہ آزاد)

☆☆☆☆☆

حسینیات

فضیلت محرم الحرام

عبدالرحیم کرخی

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم اکرموا شہر اللّٰہ الحرام فمن اکرم اکرمہ باالجنتو نجاہ من النار.

ترجمہ: حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مہینے شہر محرم کی تعظیم وتکریم کرو۔ پس جو اس کی تعظیم کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا کرے گا اور آتش دوزخ سے نجات دے گا۔

کلام الٰہی کی رو سے حرمت والے مہینے چار ہیں۔ رجب، ذوالقعد، ذوالحجہ اور محرم۔ محرم کے مہینے کو محرم اس کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں۔ مذکورہ چاروں مہینے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک حرمت اور تعظیم کے لائق ہیں۔ ان مہینوں کی خصوصیت سے حکم خدا کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کوئی گناہ کرنا چاہیے۔ ان مہینوں کی حرمت ابتدائی آفرینش عالم سے ہے۔ رسول اللہؐ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا تھا کہ زمانہ گھوم گھوم کر اپنی اصلیت پر آگیا ہے۔

اسلامی سال کی ابتدا محرم الحرام کے مہینے میں اللہ تعالیٰ نے زمین، آسمان، پہاڑ، لوح وقلم اور جبرائیل اور دوسرے فرشتوں کو پیدا کیا اور اسی مہینے میں حضرت آدمؑ پیدا کیا۔ اسی مہینے میں ان کی توبہ قبول ہوئی اور پھر عاشورہ محرم میں حضرت نوحؑ کو طوفان سے نجات ملی۔ اور یہی وہ مقدس مہینہ ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔ اور اسی مہینے میں آپؑ پر نار نمرود گلزار ہوئی۔ اسی مہینے میں فرعون دریائے نیل میں غرق ہوا اور حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے ظلم وتشدد سے نجات ملی اور اسی مہینے میں حضرت یونسؑ مچھلی کے شکم سے باہر آئے تھے اور حضرت ادریسؑ اسی مہینے میں مکان علیاء میں پہنچے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں حضرت ایوبؑ شفایاب ہوئے اور اسی مہینہ میں حضرت سلیمانؑ کو حکومت وسلطنت ملی اور اسی عاشورہ محرم میں اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ افروز ہوا اور اسی مہینے میں قیامت آئے گی۔ (غنیۃ الطالبین)

حضرت حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب کی شہادت نے اس مہینے کی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ اب محرم الحرام کا نام سنتے ہی حسینؑ کی شہادت اور حسینؑ کا نام سنتے ہی محرم کی عظمت سامنے آتی ہے۔

مذکورہ حدیث مبارکہ سے عاشورہ یعنی دسویں محرم کی فضیلت واہمیت واضح ہوگئی۔ قبل از اسلام لوگ دسویں محرم کو روزہ رکھتے تھے۔ ابتدائے اسلام میں عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ جب رمضان شریف کے روزے فرض ہوئے تب عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی لیکن استحباب کا درجہ باقی ہے۔ جب اللہ کے حبیب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو عاشورہ محرم کا روزہ رکھتے دیکھا تو فرمایا کہ تم اس روز کیوں روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہماری نجات کا دن ہے۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی۔ اسی دن حضرت موسیٰؑ نے شکریہ میں روزہ رکھا۔ آپؐ نے فرمایا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہم تم سے زیادہ موافقت رکھنے کے حق دار ہیں۔ اسی لیے آپؐ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری ومسلم)

ایک اور حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں:

افضل الصیام بعد رمضان شہر اللّٰہ الحرام.

رمضان المبارک کے بعد محرم الحرام کا روزہ رکھنا زیادہ افضل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من صام یوم اخر من ذالحج و اول یوم من محرم فکانما صام الدھر کلہ و غفرک ذنوب ستین سنت.

جس نے ذی الحجہ کی آخری تاریخ کو اور ماہ محرم الحرام کی پہلی تاریخ کو روزہ رکھا کہ شروع سال ہے پس گویا اس نے تمام سال روزہ رکھا اور

اس کے ساٹھ سال کے گناہ بخشے گئے۔

ایک اور حدیث سے اس کی اہمیت اور زیادہ اجاگر ہوتی ہے۔

من صام عشر ایام من اول المحرم فکانما عبد اللہ عشرۃ الاف سنۃ قام لیالیھا و صام نھارھا.

جس نے محرم کی ابتدائی دس دن روزہ رکھا اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی دس ہزار سال اس طرح عبادت کی کہ اس کی راتوں کو حالت قیام میں اور دنوں کو حالت صوم میں گزار لیا۔

ایک دوسری حدیث میں اس کی اہمیت وفضیلت کو یوں روشن فرمایا گیا ہے۔

من صام یوم عاشوراء کتب اللہ ثواب عبادۃ ستین سنۃ قام لیالیھا و صوم نھارھا.

جس نے عاشورہ یعنی دسویں محرم کو روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اسے ساٹھ سال کی عبادت کا ثواب (جس کی راتوں کو قیام کیا اور دن کو روزہ رکھا) عطا فرماتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

☆☆☆☆☆

بقیہ: ہماری شناخت۔مذہب صوفیہ

نے خدا کی راہ میں جہاد کا پورا پورا حق ادا کیا اور آپ اللہ کے لیے بے حد مطیع ثابت ہوئے اور اپنے جد امجد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرو رہے اور اپنے پدر بزرگوار کے تابع رہے اور اپنے بھائی (حسنؑ) کی وصیت کو جلد پورا کیا۔آپ اپنے جد امجد، اور اپنے پدر بزرگوار کے طریقوں پر اپنے بھائی حسنؑ کی طرح امر خیر کی ہدایت کرنے والے تھے اور اپنی ذمہ داریوں کو بخوشی و رغبت پورا کرنے والے تھے اور اپنی سخاوت میں معروف تھے اور پردۂ شب میں تہجد گزار تھے۔غرض آپ کا طریقہ مضبوط تھا۔امام شہیدؑ خدا سے بہت زیادہ لو لگانے والے محبوب خدا، لوگوں کو اللہ سے ڈرانے والے تھے۔آپ اطاعت خدا کی راہ میں بہت کوشش کرنے والے تھے، عہد و پیمان کی حفاظت کرنے والے اور فاسقوں کے راستوں سے الگ رہنے والے، مصیبت زدوں کو عطا کرنے والے، دیر تک رکوع اور سجدے کرنے والے اور دنیا سے اس طرح بے تعلق رہنے والے تھے جیسے آپ دنیا سے جلد رخصت ہونے والے ہیں۔آپ نے دنیا کو ہمیشہ نفرت بھری نظروں سے دیکھا۔آپ کی آرزوئیں اس سے ہٹی ہوئی تھیں اور آپ اس کی زینت وآرائش اور اس کی رونق سے بہت دور رہنے والے تھے اور دنیا جانتی ہے کہ آپ کی رغبت صرف آخرت کی طرف ہے۔یہاں تک کہ جب ستم و جور اپنے ہاتھ بڑھانے لگا اور جو ہلکا سا پردہ ظلم کے چہرے پر پڑا ہوا تھا وہ نہ رہا اور گمراہی نے ہر طرف سے اپنے چیلوں کو بلا لیا تو اس وقت آپ اپنے جد امجدؐ کے حرم پاک میں مقیم تھے اور ظالموں سے قطعاً دور تھے اور گوشہ نشین بن کر محراب عبادت میں تھے اور دنیوی لذتوں اور خواہشوں سے کنارہ کش تھے۔

ان ارشادات سے صاف واضح ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام صوفیہ کے امام تھے اور اہل تصوف جس طرز حیات پر کاربند رہتے ہیں وہ صحیح معنوں میں اسوۂ حسینی ہے۔پس اگر کوئی مذہب حضرت امام حسین علیہ السلام کے حقیقی دوست دار اور پیروکار ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے تو وہ مذہب صوفیہ ہی ہے۔اللہ تعالیٰ تمام صوفیوں اور جملہ اہل اسلام کو پیروی حسین علیہ السلام کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: حسنین کریمین علیہ السلام

ان کے والدہ فاطمہؑ بنت رسول اور ان کے والد علیؑ ابن ابی طالب، ان کے چچا جعفر بن ابی طالب، ان کی پھوپھی ام ہانی بنت ابی طالب، ان کے ماموں قاسم بن رسول اور ان کا خالہ رسول اللہ کی بیٹیاں زینب، رقیہ اور ام کلثوم ہیں۔ان کے نانا، والد، والدہ، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ (سب) جنت میں ہوں گے اور وہ دونوں (حسنین کریمین) بھی جنت میں ہوں گے۔

اللہ ہم سب کو اہل بیت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔آمین۔

☆☆☆☆☆

حسینیات

حسینیت ایک تحریک

مجاہد حسین

چھٹی صدی عیسوی میں ہماری یہ دنیا ایک گھٹا ٹوپ تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور انسانی تمدن کی معصیت اور ضلالت کے بھنور میں پھنس چکی تھی۔ اتنے میں جزیرہ نمائے عرب سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا جس کی ابتدائی کرنیں اگر چہ حجاز کے مرکزی مقام مکہ معظمہ سے ظاہر ہوتی تھیں لیکن رفتہ رفتہ اس کی روشنی تمام شرق و غرب پر چھا گئی اور جملہ عالم کو روشن کر دیا۔ اسلام امن و آشتی کا دین ہے اس نے بنی نوع انسان کو گروہ بندی اور گمراہی سے نکالا اور رشتہ اخوت اور رشد و ہدایت کی راہ دکھائی۔ اسی راہ کو بتانے کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے تھے۔ جنہیں نبوت کے مشن کو چلانے کے لیے بڑی بڑی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا مگر یہ تمام مشکلیں اور آزمائشیں ان تکالیف کے آگے ہیچ ہیں جو تاجدار رسالت حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پیش آئیں جس کا ثبوت آپ کی یہ حدیث مبارکہ ہے:

ما اوذی النبی کما اوذیت۔
جتنی تکلیفیں میں نے اٹھائیں کسی نبی نے نہیں اٹھائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اتنی لاتعداد اذیتیں برداشت کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس دین کی اشاعت کی تھی اس دین کی بقا اس عظیم قربانی کے نتیجے میں ہی ممکن ہو سکی جو نواسہ رسول حضرت امام حسینؓ کے حصے میں آئی۔ یہ ایسی عظیم قربانی تھی کہ آسمان چاہے لاکھوں برس گردش کرے، زمانہ کے اوراق گوناگوں خصوصیتوں کے ساتھ سامنے آئیں اور الٹ دیئے جائیں لیکن ایسی شاندار، مکمل، منظم اور مرتب قربانی کی مثال پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ قربانی کیوں پیش کی گئی۔ ایک بندہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مقصد کو سمجھے اور اسے ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھے۔

قربانی حسینؓ کا مقصد مسلمانوں کو محض گریہ وزاری میں مبتلا کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے مقاصد عظیم تر ہیں اور وہ ہیں شریعت مطہرہ اور سنت نبوی کا احیاء کرنا دین اسلام کے نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرنا۔

تپتی ہوئی زمین پر سجدہ ریزی کے ذریعے عمل کی ترویت کا اظہار جوان بیٹے علی اکبر کو ڈھال بنا کر نماز باجماعت کی اہمیت کا مظاہرہ کرنا۔ سب کچھ لٹ جانے کے باوجود مقام صبر و استقامت سے پسپائی اختیار نہ کرنا۔

حسینیت باطل کی قوتوں سے ڈرنے اور دبنے کی بجائے ان کے آگے سینہ سپر ہونے اور مصروف جہاد فی سبیل اللہ ہو جانے کا نام ہے یہ ظلم کے خلاف بغاوت اور مظلوم کی حمایت میں آواز کا نام ہے۔

آج بھی دنیا بھر میں مظلوم اور مجبور قوم میں حسین علیہ السلام کو اپنا ہیرو سمجھ کر ظلم واستبداد کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں۔ چنانچہ مقبوضہ کشمیر میں مظلوم کشمیری مسلمان بھارتی استبداد کے خلاف صبر و استقامت کا پیکر بنے ہوئے ہیں اور جذبہ حریت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہی حال فلسطین، بوسنیا اور کوسووہ کا ہے۔ یہ سب تحریکیں تحریک حسینیت کا تسلسل ہیں اور اس بات کا اظہار ہیں کہ چاہے ظالم و جابر قوتوں کا ظلم و جوار جتنا بڑھ جائے آخر الامر مظلوم ہی فاتح ٹھہرے گا۔ جب تک یہ کائنات باقی ہے تب تک حسینیت کی تحریک قائم و دائم رہے گی اور ارتقائی منازل طے کرنے کے ساتھ ساتھ انسانی معاشروں کو اس تحریک کی اہمیت اور افادیت کا احساس ہوتا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

حسینیات

شہادت امام حسینؑ اور مقامِ صبر

نور علی نوردین

اللہ رب العزت کے نیک اور برگزیدہ بندوں کو اپنے مولا کی بارگاہ میں قرب ووصال اور خوشنودی کی منزلوں کو حاصل کرنے کے لیے جو جد وجہد اور کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اس کے کئی مراحل ہیں۔ صوفیائے کرام نے اس کے بالترتیب تین مراحل بیان کیے ہیں۔

۱)مرحلۂ صبر ۲)مرحلۂ توکل ۳)مرحلۂ رضاء

۱)مرحلۂ صبر:

صبر دو طرح کا ہوتا ہے: زاہدوں کا صبر اور عاشقوں کا صبر

زاہدوں کے صبر کے تین مراتب اور درجات ہیں: ۱. اَلصَّبْرُ لِلّٰہِ ۲. اَلصَّبْرُ عَلَی اللّٰہِ ۳. اَلصَّبْرُ مَعَ اللّٰہِ صبر کی یہ تقسیم اور درجات حضرت ابو بکر شبلیؒ نے بیان فرمائی ہے۔

الصبر للّٰہ: زاہد، عبادت گزار اور پرہیزگاروں کے صبر کا پہلا درجہ ''الصبر للہ'' ہے۔ یعنی اللہ کے لیے صبر کرنا۔ اللہ نے ہمیں بعض کام کرنے کا حکم فرمایا ہے انہیں امر کہتے ہیں اور بعض کاموں کو نہ کرنے کا حکم دیا انہیں نہی کہتے ہیں۔ شریعت نے فرض، واجب، سنت، مستحب اور مباح چیزوں کو حلال کیا ہے۔ اور ان پر ثابت قدمی اختیار کرنے کو کہا ہے۔ جن چیزوں کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے ان سے ثابت قدمی سے بچے رہنے کی تلقین کی ہے۔ حلال کی راہ پر چلتے ہوئے انسان کو کبھی پریشانی کبھی قید وبند کی صعوبتیں اور کبھی ماں، بہنوں اور بھائیوں سے جدا ہونا، کبھی آرام وسکون ختم ہونا، کبھی ذاتی مفاد کو قربان کرنا، حلال اور حرام کے درمیان امتیاز کرنا اور امر ونہی پر عمل کرنے میں انسان کو پریشانی پہنچتے ہیں۔ اس تکلیف کو ہنس کر برداشت کرنا ''الصبر للہ'' سمجھ کر برداشت کے ساتھ اللہ کا شکر کرنا اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کے جانثاروں نے کربلا کی راہ اختیار کرتے ہوئے ہمیں یہی سبق دیا ہے۔

الصبر علی اللّٰہ:

زاہدوں کے صبر کا دوسرا درجہ ''الصبر علی اللہ'' اللہ کی بارگاہ سے جو کچھ مقدر ہو اس پر خوش رہنا ''الصبر علی اللہ'' کہلاتا ہے۔ بیماری ہو یا صحت، کھانے کو ملے یا فاقہ آئے، خوشی ملے یا رنج، اولاد ملے یا چھن جائے، دنیا دوست ہو یا دشمن، عزت ملے یا بے وقار ہو جائے۔ الغرض جو کچھ اللہ کی بارگاہ سے ملے اس پر خوش ہونا اور صبر کرنا کہ تکلیف میں شکوہ نہ کرنا اور خوشی ومسرت میں تکبر اور رعونت سے کام نہ لینا۔ بلکہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا الصبر علی اللہ ہے۔ جیسے کہ امام حسینؑ کی زندگی ایسا ہی تھا۔

الصبر علی اللہ پر ایک بزرگ کی حکایت بیان کی جاتی ہے۔ وہ بزرگ تجارت کرتے تھے۔ ایک دن انہیں خبر ملی کہ ان کا جہاز مع سامان تجارت ڈوب گیا ہے اور لاکھوں کا نقصان ہوا ہے۔ یہ خبر سن کر بزرگ قدرے توقف سے کہا۔ ''الحمد اللہ''۔ پھر کچھ دنوں کے بعد خبر ملی۔ کہ پہلی خبر جھوٹ تھی۔ سامان تجارت بکا ہے اور لاکھوں کا نفع ہوا ہے۔ یہ خبر سن کر بزرگ ایک لمحہ توقف کے بعد کہا ''الحمد اللہ''۔ کسی نے ان سے سوال کیا۔ حضرت یہ کیا ماجرا ہے آپ نے جہاز ڈوبنے اور لاکھوں نقصان کے خبر سن کر اور لاکھوں نفع کی خبر سن کر 'الحمد اللہ' کہا؟ اس پر انہوں نے جواب دیا۔ جب نقصان ہونے کی اطلاع ملی تو میں نے فوراً اپنے دل کو دیکھا مگر یہ خبر سننے کے باوجود بے پرواہ اور اپنے رب کی یاد میں مست پایا لہذا میں نے دل کی حالت دیکھ کر رب کا شکر ادا کیا اور زبان سے 'الحمد اللہ' جاری کیا۔ اور جب میں نے نفع کی خبر سنی تب بھی میں نے دل کی طرف دیکھا کہیں انہیں نفع یا نقصان کی دلچسپی تو

باقی صفحہ نمبر 20 پر

حسینیات

حسنین کریمین علیھا السلام

صادق امین سرموی، مدرسہ شاہ ھمدان کراچی

عن اسلمة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ جمع فاطمة و علی و حسن و حسین ثم انھم نعت توید ثوبہ ثم قال: اللّٰھم ھؤ لاء اھل بیتی.

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرمؐ نے فاطمہؓ، علیؓ، حسنؓ و حسینؓ کو جمع فرما ان کو اپنی چادر میں لیا اور فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

عن سعد بن ابی وقاص قال لمانزلت ھذہ الا ھدہ(فعلُ تعَالَوُ نَدُعُ أبناء ناواًبنائکم) دعا رسول اللہ علیھا وفاطمة وحسنا وحسینا فقال: اللّٰھم ھولاء اھلی بیتی.

حضرت سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ جب آیت مبارکہ ’’آپ فرما دیں آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ‘‘ نازل ہوئی تو حضور نبی اکرمؐ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیھم السلام سے فرمایا اے اللہ یہ ہیں میرے اہل بیت۔

عن ابی سعد خدوی فی قولہ (انّما یُرِیُدُاللّٰہُ لِیُذھِبَ عَنکُمُ الرِّجُسَی اَھُلَ الُبَیُتِ) قال: نزلت خمسة رسول اللہ و علی وفاطمہ والحسن والحسین.

حضرت ابو سعد خدویؓ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ’’اے نبیؐ کے گھر والو! اللہ چاہتا ہے کہ تم ہر طرح کی آلودگی سے دور رہے اور تم کو خوب پاک و صاف کردے۔‘‘ کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ آیت مبارکہ پانچ ہستیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضور نبی اکرمؐ، علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ و حسینؓ۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا: میں ماں کے بیٹوں کا ابائی خاندان ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں سوائے فاطمہ کی بیٹوں کے، پس میں ہی ان کا ولی اور میں ہی ان کا نسب ہوں۔

فاطمہ زہراؑ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا: ہر عورت بیٹوں کا خاندان ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں ماسوائے فاطمہ کی اولاد کے میں ہی ان کا ولی ہوں اور میں ہی ان کا نسب ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو کیا میں تمھیں ان کے بارے میں بتادوں جو نانا نانی کے اعتبار سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ کیا میں تمھیں ان کے بارے میں نہ بتاؤں جو (اپنے) ماموں اور خالہ کے اعتبار سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ کیا تمھیں ان کے بارے میں نہ بتاؤں جو (اپنے) ماں باپ کے لحاظ سے سب لوگوں سے بہتر ہیں؟ وہ حسنؓ و حسینؓ ہیں ان کے نانا اللہ کے رسولؐ اور ان کی نانی خدیجہؓ بنت خولد،

باقی صفحہ نمبر 12 پر

تصوف

تصوفِ اسلامی

مولانا غلام حسن نوربخش

تصوف مذہب کا باطنی پہلو ہے۔ یہ خدا کائنات اور انسان کے باہمی تعلق پر تفکر اور تدبر کا نام ہے۔ نیز یہ ایک طرز حیات ہے جو عبادات، معاملات اور اخلاقیات سمیت زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔

تصوف کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی مذہب کی۔ چنانچہ زمانہ قبل از اسلام میں بھی مختلف مذاہب میں تصوف کا رواج تھا۔ خاص طور پر یونانی، یہودی، عیسائی اور چینی تصوف میں تلاشِ حقیقت کی جستجو نمایاں نظر آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر مذہب تصوف ہے یا تصوف پرمبنی ہے۔ (ڈار، بشیر احمد: تاریخ تصوف قبل از اسلام، ص ۳) جہاں تک اسلامی تصوف کا تعلق ہے اس کا سرچشمہ قرآن مجید اور سنتِ نبویؐ ہے۔ قرآن مجید میں بے شمار آیات ایسی ہیں جن میں تعلیماتِ تصوف کا بیان ہوا ہے۔ اگرچہ تصوف کا لفظ قرآن مجید میں نہیں آیا اور باور کیا جاتا ہے کہ یہ اصطلاح دوسری صدی ہجری میں وضع کی گئی (مطہری، استاد مرتضیٰ: سیر و سلوک، ص ۵۲) لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں تصوف کے لیے تزکیہ، حکمت اور احسان جیسے الفاظ مستعمل تھے، جیسا کہ حضور پاک کی اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے جو حدیثِ جبریل کے نام سے مشہور ہے، اور عہدِ حاضر کے ایک نامور محقق پروفیسر حمید اللہ خاں نے اس حقیقت پر استدلال کیا ہے کہ حدیث جبریل میں جو ایمان، اسلام اور احسان کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں ان میں سے احسان کا معنی تصوف ہے۔ (حمید اللہ خان، پروفیسر: خطباتِ بہاولپور، ص ۱۸۲) دورِ حاضر کے ایک اور نامور عالمِ دین استاد آیت اللہ مطہری نے بھی پروفیسر نکلسن کے خصوصی حوالے سے قرآن اور حدیث کو علمِ تصوف کا اصل ماخذ قرار دیا ہے۔ (مطہری، استاد مرتضیٰ: سیر و سلوک ص ۴۲ تا ۵۱) اسی طرح کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر اے۔ جے آربری کا بھی خیال ہے کہ صوفیہ تحریک کی ابتدا خود پیغمبر اسلامؐ کے زمانہ مبارک میں ہوئی، جنہوں نے اپنے چچا زاد اور داماد حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو اپنا خرقہ عطا کیا اور تمام اسرار روحانی سے آگاہ فرمایا اور علم و حکمت عطا فرمائی۔ دوسری نمایاں شخصیت حضرت سلمان فارسیؓ کی ہے جو اسلامی ایران کا پہلا صوفی تھا۔ (Arberi: Muslim Saints and Mystics p. 2,3) یہی تحقیق مولانا عبدالماجد دریابادی کی ہے جو لکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں ابتدا ہی سے ایک گروہ موجود ہے جس نے تمام مقاصدِ دنیوی سے قطع نظر کر کے اپنا نصب العین محض یادِ خدا اور ذکرِ الٰہی کو بنایا اور صدق و صفا، سلوک و احسان کے مختلف طریقوں پر عامل رہا۔ شروع شروع میں یہ گروہ دوسرے ناموں سے ملقب رہا۔ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد رفتہ رفتہ اس مسلک کا نام تصوف پڑ گیا اور یہ گروہ گروہِ صوفیہ کہلانے لگا۔ (دریابادی، عبدالماجد: تصوفِ اسلام ص ۴) حضرت مجدد الف ثانیؒ تصوف کو تکمیلِ شریعت کا بنیادی منشور قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شریعت کے تین حصے ہیں، علم، عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تینوں اجزا متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی ہے۔ جب شریعت متحقق ہوتی ہے تو حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے جو کہ تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں سے بالاتر ہے۔ طریقت اور حقیقت جن سے صوفیا ممتاز ہوتے ہیں دونوں شریعت کے تیسرے حصے یعنی اخلاص کی تکمیل میں شریعت کی خادم ہیں۔ پس ان دونوں کی تحصیل صرف شریعت کی تکمیل کے لیے کی جاتی ہے۔ (مکتوبات: بحوالہ اقبال اور تصوف ص ۲۲۷) یہی وجہ ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے شریعتِ مطہرہ کے کامل اتباع کو کرامت قرار دیا تھا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس ضمن میں نہایت پتے کی بات کہی ہے جسے خوف

طوالت کے باوجود نقل کیا جاتا ہے۔

"فقہ کا تعلق انسان کے ظاہری عمل سے ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتی ہے کہ تم کو جیسا اور جس طرح کا حکم دیا گیا ہے اس کو تم نے بجا لایا یا نہیں۔ اگر بجا لایا ہو تو فقہ کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ تمہارے دل کا کیا حال تھا۔ دل کے حال سے جو چیز بحث کرتی ہے اس کا نام تصوف ہے۔ مثلاً آپ نماز پڑھتے ہیں اس عبادت میں فقہ یہ دیکھتی ہے کہ تم نے وضو ٹھیک کیا ہے یا نہیں۔ قبلہ رُو کھڑے ہوئے نماز کے تمام ارکان ادا کیے۔ جو چیزیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں وہ سب پڑھ لی ہیں اور جس وقت جتنی رکعت مقرر کی گئی ہے، ٹھیک ٹھیک اسی وقت اتنی ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔ جب یہ سب تم نے کر دیا تو فقہ کی رُو سے تمہاری نماز ہو گئی۔ لیکن تصوف یہ دیکھتا ہے کہ اس عبادت میں تمہارے دل کا کیا حال رہا۔ تم خدا کی جانب متوجہ رہے یا نہیں۔ تمہارا دل دنیا کے خیالات سے پاک ہوا یا نہیں؟ تمہارے اندر نماز سے خوف خدا، اس کے حاضر و ناظر کا یقین اور صرف اس کی خوشنودی پانے کا جذبہ بھی پیدا ہوا یا نہیں؟ یہ تمام باتیں جو انسان کے اصل مقصد سے تعلق رکھتی ہیں جس قدر کمال کے ساتھ حاصل ہوں گی تصوف کی نظر میں تمہاری نماز اتنی کامل ہوگی اور اس میں جتنا بھی نقص رہے گا وہ اس لحاظ سے تمہاری نماز کو ناقص قرار دے گا۔"

(مودودی: ابوالاعلیٰ، رسالہ دینیات ص ......)

(جاری ہے ـــ)

بقیہ: قرآن مجید فرقان حمید

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِیْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى.

ترجمہ: البتہ وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہے اور بد بخت اس (نصیحت) سے پہلو تہی کرے گا۔ جو (قیامت کے دن) سب سے بڑی آگ میں داخل ہوگا۔ پھر وہ اس میں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔

قرآن مجید تمام انسانیت کے لیے ہدایت ہے مگر نصیحت صرف انہی لوگوں کو ہوگی جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو اور جو ہدایت کے متلاشی ہوں۔ اس لیے قرآن نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ھدی للمتقین۔ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے۔ مذکورہ آیت میں بھی یہی حکم اور اصول بیان فرمایا ہے اور جو بد بخت ہے انہیں اس نور ہدایت سے کوئی ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ بلکہ ایسے بد بخت لوگوں کے لیے قیامت کے دن بڑی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اور جہنم کی آگ اتنی سخت ہوگی کہ جہنمی دوبارہ مرنے کی تمنا کرے گا تا کہ عذاب سے چھٹکارا پا سکے مگر اب موت بھی نہیں آئے گی۔ اور ایسے ہدایت سے محروم بد بخت موت و حیات کی ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہوں گے۔ نہ رہیں گے اور نہ جئیں گے۔ انہیں نہ جینے کی کوئی لذت ہے بلکہ ہر طرف عذاب ہی عذاب ہوگا۔ جل کر راکھ ہوگا تو دوبارہ گوشت پہنایا جائے گا اور دوبارہ عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کے صدقے ہم سب کو دوزخ کے اس عظیم عذاب سے نجات عطا فرمائیں اور جنت کی اعلیٰ نعمتوں کا حق دار ٹھہرا دے۔ آمین

☆☆☆☆☆

ضروری وضاحت

ماہنامہ نوائے صوفیہ شمارہ نمبر ۱۱۳ نومبر ۲۰۱۲ء میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے تحت سوال نمبر 4 کا جو جواب شائع ہوا ہے وہ میر سید محمد نوربخش کی تصنیف "الفقہ الاحوط" کے باب الصلوٰۃ میں موجود میت کے احکام اور سوگ منانے کے عمومی مسئلے سے متعلق ہے۔ ایک مخصوص گروہ کی جانب سے اس جواب کو حضرت امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کے ساتھ جوڑ کر اس کی من مانی تشریح اور توضیح کی جارہی ہے اور معاشرے میں انتشار اور اضطراب پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ادارہ نوائے صوفیہ اس سلسلے میں وضاحت کرتا ہے کہ اس جواب کا تعلق شہید کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر شہدائے کربلا سے بالکل نہیں ہے۔ بلکہ یہ عام حکم ہے جو شریعت محمدیہ الفقہ الاحوط میں موجود ہے۔

اہل صوفیہ نوربخشیہ اور تمام اہل اسلام سے التماس ہے کہ اتحاد بین المسلمین کو نقصان پہنچانے کی کسی بھی کوشش کو کامیاب ہونے کا موقع نہ دیں اور اپنی صفوں میں اتفاق اور اتحاد کو برقرار رکھیں۔

ابوالعرفان محمد بشیر فاضل عربی مدیر نوائے صوفیہ

تصوف

اصحابِ صفّہ

مولانا غلام حسن نوربخش

تصوف روحِ اسلام ہے۔ یعنی یہ کوئی نیا دین یا مذہب نہیں بلکہ اللہ کا پسندیدہ دین صرف دینِ اسلام ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَام ٥ ''بے شک اللہ کے نزدیک دین تو بس اسلام ہی ہے۔''

حضرات صوفیہ نے اسی دینِ اسلام کی حقیقی روح کی ترویج کے لیے سعی وکاوش کی ہے اوران کا طریق خود حضور نبی کریمؐ کے دورِ مبارک میں ان اصحاب کبار میں خصوصیت کے ساتھ مروج تھا جو اصحابِ صفہ کہلاتے تھے۔ یہ وہ جماعت تھی جنھوں نے اپنی زندگی محض عبادت وریاضت کے لیے وقف کررکھی تھی اور علائق دنیوی سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ انہی کے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

لَا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ٥

یعنی کوئی تجارت یا کسی قسم کی خرید وفروخت انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرسکتی۔

بتقاضائے بشریت جب انہیں حصولِ دنیا کی تمنا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ان سے دُور کیا تاکہ ان کا نفس امارہ بغاوت پر آمادہ نہ ہو۔ چنانچہ ابو ہانی نے عمرو بن حریث سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت بھی اصحابِ صفہ ہی کے حق میں نازل ہوئی۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ۔

اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رزق کو پھیلا دے تو وہ زمین میں بغاوت پر اتر آئیں۔

حضرت خباب بن الارتؓ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس تمیمی، عیینہ بن حصین الفزاری وغیرہ رئیسانِ قریش حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کو آئے تو آپؐ اصحابِ صفہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ان رئیسوں نے ازراہِ غرور وتمکنت حضورؐ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان ضعیف اور مسکین لوگوں سے الگ مجلس تشکیل دیں کیونکہ ہم ان غلاموں کے ساتھ بیٹھنے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ آپؐ نے بتقاضائے مصلحت دینی حامی بھری تو ان روسانے کہا یہ چیز آپ ہمیں لکھ کر دیں۔ آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تحریر کا حکم فرمایا اور عین اس وقت جبرئیل امین وحی الٰہی لے کر نازل ہوئے۔

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ .... الخ

''اے پیغمبرؐ! جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار ہی کی طرف رخ کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں ان کو اپنے پاس سے مت نکالو۔ نہ تو ان کے اعمال کی جوابدہی کسی طرح تمہارے ذمے ہے اور نہ تمہاری جوابدہی کسی طرح ان کے ذمے ہے۔ پھر انہیں تم دُور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے۔ اور اسی طرح اختلاف حالت سے ہم نے بعض لوگوں کو بعض سے آزمایا تاکہ مقدور والے غریبوں کو دیکھ کر کہنے لگیں کہ کیا یہی ذلیل لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے اسلام کی توفیق دے کر اپنا فضل کیا ہے۔ ان کو اتنا تو سمجھنا چاہیے تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کے حال سے بخوبی واقف نہیں۔ اور اے پیغمبر جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جب تمہارے پاس آیا کریں تو تم ان کی دل دہی کیا کرو اور کہو کہ خدا کی طرف سے تم کو سلامتی کی خوشخبری ہو اور تمہارے پروردگار نے بندوں پر مہربانی کرنا خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

خباب روایت کرتے ہیں کہ جب حضورؐ نے قلم کاغذ پھینک دیا اور ہمیں طلب فرمایا تو ہم حاضر ہوئے تو فرمانے لگے ''السلام علیکم''۔ اور ہم آپؐ کے اتنے قریب بیٹھے کہ ہمارے گھٹنے آپؐ کے گھٹنوں سے لگنے لگے۔ اس کے بعد رسولِ مقبولؐ ہمارے ساتھ بیٹھا کرتے اور جب

جانے کا ارادہ ہوتا تو ہمیں چھوڑ کر تشریف لے جاتے۔ پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (الکہف :۲۸)۔

حضرت سلمان فارسی کی روایت ہے کہ جب مؤلفۃ القلوب عیینہ بن حصین اور اقرع وغیرہ رسول مقبولؐ کے پاس آئے (تو آپ کے پاس ابوذر غفاریؓ اور سلمان فارسیؓ جیسے ضعفا مسلمان تھے۔ ان کے جسموں پر اون کے لباس ہوتے تھے جن سے پسینے کی وجہ سے بو آتی تھی کیونکہ ان کے پاس ایک جوڑے سے زیادہ کپڑے نہ ہوتے تھے۔ اس سبب سے یہ روسائے قریش) کہنے لگے کتنا ہی اچھا ہو کہ آپؐ مسجد کے درمیان میں تشریف رکھا کریں اور ان لوگوں کو بھی ان کے لباسوں کی بُو کے ہم سے دور کریں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اصحاب صفہ اون کا موٹا کھردرا لباس زیب تن فرماتے ہیں اور لفظ تصوف کی تحقیق میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ صوف بمعنی اون سے مشتق ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے اس نعمت پر اپنے خالق و مالک حقیقی کا شکر ادا فرمایا کہ اس نے آپؐ کی امت میں ایک ایسا گروہ اور جماعت پیدا کردی ہے جس کے ساتھ آپ کو بیٹھنے کا حکم ہوا ہے اس کے بعد آپؐ نے ان فقراء مسلمانوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔ تمہیں خوشخبری سناتا ہوں اس بات کی کہ تم روز قیامت امراء سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہو گے۔ تم لوگ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہو گے جبکہ یہ امراء کا طبقہ ابھی حساب کتاب میں پھنسا ہو گا۔

ثابت بنانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایسی جماعت میں موجود تھے جو ذکر الٰہی میں مشغول تھی۔ نبی کریمؐ پاس سے گزرے تو وہ ذکر سے رک گئے۔ آپؐ نے پوچھا تم کیا کہہ رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اللہ کا ذکر کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا تم ذکر جاری رکھو۔ میں نے تمہارے اوپر اللہ کی رحمت نازل ہوتے دیکھی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میں بھی اس رحمت میں تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ پھر فرمایا اس ذات الٰہی کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے میری امت میں ایک ایسا گروہ بھی بنایا ہے جن کے ساتھ مجھے اپنے آپ کو روک رکھنے کا حکم ہوا ہے۔

ابو نعیم فرماتے ہیں: اصحاب صفہ اور تا قیامت ان کے پیروکاروں کی علامت فقر ہے۔ سچائی ان کی شہرت ہے اور ان کے باطن مشاہدۂ حق سے ہمیشہ آباد ہیں کیونکہ ان کے محافظ و نگران حق تعالیٰ اور معلم و مؤدب رسولؐ ہیں۔ اصحاب صفہ نے مسجد نبویؐ کے چبوترے (صفہ) کو اپنا وطن بنایا تو باری تعالیٰ نے ان کے باطن کو پاک و صاف فرمایا۔ اغیار سے ان کی حفاظت فرمائی۔ نفسانی خواہشات اور نفس کے حملوں سے بچایا۔ ابرار کی صف میں شامل فرمایا۔ جنت کے باغات میں نازل فرمایا اور جنت کے خاص چشموں کا پانی پلایا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ آیت کریمہ اُولئک یجزون الغرفۃ بما صبروا "جنت کے بالاخانے انہیں صلے میں دیے جائیں گے۔" میں جن لوگوں کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں فقر و تنگدستی پر صبر کیا۔

صاحب کشف المحجوب کے بیان کے مطابق اصحاب صفہ میں درج ذیل اصحاب شامل ہیں۔

مؤذن رسولؐ حضرت بلالؓ، ابو عبداللہ حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابو عبیداللہؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عتبہؓ حضرت زیدؓ، حضرت ابوالبشرؓ، حضرت ابوالمرشد کناز الحصین العدویؓ، حضرت سالمؓ، حضرت عکاشہؓ حضرت مسعود بن ربیعؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت صفوانؓ، حضرت ابو درداء عویمرؓ، حضرت ابولبابہؓ اور حضرت عبداللہ بن بدرؓ۔ (کشف المحجوب ص ۱۴۲ تا ۱۴۳)

حافظ ابو نعیم اصبہانی (م ۴۳۰ھ) نے اصحاب صفہ کا جو

تذکرہ لکھا ہے اس میں مندرجہ ذیل ۸۹ صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی شامل ہیں:

اوسؓ بن اوس الثقفی، اسماءؓ بن حارثہ، الاغر المزنیؓ، بلال بن رباح ؓ، البراءؓ بن مالک، ثوبان مولیؓ، ثابتؓ بن ضحاک، ثابتؓ بن ودیعہ، ثقیفؓ بن عمرو، ابوذر غفاریؓ، جرہدؓ بن خویلد، جعیلؓ بن سراقہ، جاریہؓ بن جمیل، حذیفہؓ بن الیمان، حذیفہؓ بن اسید، حبیبؓ بن زید، حارثہؓ بن نعمان، حازمؓ بن حرملہ، حنظلہؓ بن ابی عامر، حجاج ؓ بن عمرو، حجاج ؓ بن عمیر، حرملہؓ بن ایاس، خبابؓ بن الارت، خنیسؓ بن حذافہ، خالدؓ بن زید، خریمؓ بن فاتک، خریمؓ بن اوس، خبیبؓ بن یساف، رکینؓ بن سعید، ذوالبجادینؓ، رفاعہؓ ابولبابہ، ابورزینؓ، زیدؓ بن خطاب، سلمان فارسیؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، سعیدؓ بن عامر، سفینہ ابوعبدالرحمٰنؓ، سعدؓ بن مالک، سالم مولی ابوحذیفہؓ، سالمؓ بن عبید الاشجعی، سالمؓ بن عمیر، سائبؓ بن خلاد، شقران مولیؓ، شدادؓ بن اسید، صہیبؓ بن سنان، صفوانؓ بن بیضا، طہفہؓ بن قیس، طلحہؓ بن عمر، الطفاوی الدوسیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہؓ بن عبدالاسد المخزومی، عبداللہؓ بن حوالہ الازدی، عبداللہؓ بن ام مکتوم، عبداللہؓ بن عمرو، عبداللہؓ بن انیس، عبداللہؓ بن زید الجہنی، عبداللہ ؓ بن الحارث، عبداللہؓ بن عمر الخطاب، عبدالرحمٰنؓ بن قرط، عبدالرحمٰنؓ بن جبر بن عمرو، عتبہؓ بن غزوان، عمارؓ بن یاسر، عثمانؓ بن مظعون، عامرؓ بن عبداللہ، عویمر ابوالدرداءؓ، عقبہؓ بن عامر الجہنی، عبادؓ بن خالد الغفاری، عمروؓ بن عوف المزنی، عمروؓ بن تغلب، عویمؓ بن ساعدہ الانصاری، عبید مولیؓ، عکاشہؓ بن محصن الاسدی، العرباضؓ بن ساریہ، عبداللہؓ بن حبشی الخثعمی، عتبہؓ بن عبدالسلمی، عتبہؓ بن الندر السلمی، عمروؓ بن عبسہ السلمی، عبادہؓ بن قرص، عیاضؓ بن حمار المجاشعی، ابوفراس الاسلمیؓ، قرۃؓ بن ایاس المزنی، کنازؓ بن الحصین، کعبؓ بن عمرو، ابوکبشہؓ، مصعبؓ بن عمیر الداری، المقدادؓ بن الاسود۔ (نقوش رسول نمبر جلد ۸، ص ۴۵۹ تا ۵۱۲)

اصحاب صفہ کی اس فہرست میں بلالؓ، سلمانؓ، مقدادؓ، ابوذر غفاریؓ، ابوہریرہؓ، سعدؓ بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمارؓ بن یاسر اور عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں، لیکن سب سے برگزیدہ صحابی جو وصی رسولؐ ہی نہیں بلکہ نفس رسولؐ بھی تھے، (دیکھیے آیت مباہلہ جہاں اَنْفُسَنَا سے مراد نفس نبیؐ و نفس علیؑ لیا گیا۔) وہ مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات گرامی ہے۔ چنانچہ تقریباً تمام سلاسل تصوف کا مرجع آپ ہی کی ذات مبارک ہے، بسبب اس کے کہ سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت باطنی آپ ہی کو منتقل ہوئی۔ جیسا کہ اس حدیث پاک میں اس حقیقت کی جانب واضح اشارہ موجود ہے۔ اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا۔ ”میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔“

بقیہ: شہادت امام حسینؑ اور مقام صبر

نہیں۔ مگر نفع کی خبر سننے کے باوجود عاجزی اور استقامت کے ساتھ اللہ کے ذکر اور تسبیح میں مگن تھا۔ میں نے دل کی یہ حالت دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا اور زبان سے الحمد للہ پڑھا۔

الصبر مع اللہ:

زاہدوں کی صبر کا تیسرا درجہ ”الصبر مع اللہ“ ہے۔ اگر معمول کی تکلیف اور راحتیں آئیں اور حالت ایک جیسی رہے تو یہ زاہدوں کے صبر کا دوسرا درجہ ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔ لیکن اگر زندگی میں کوئی ایسا وقت آجائے کہ جہاں تکالیف، مصائب، رنج و الم، پریشانیوں کے بوجھ تلے دب جائے اور مسلسل پریشانیوں کے زد میں رہے۔ گویا اللہ کی قضا اور تقدیر کی چھری چل رہی ہو۔ سر پر آری چلائے جا رہے ہوں یا سینہ میں گولیوں سے چھلنی ہو رہا ہو یا بے تن سر شام کے بازاروں میں پھیرایا جائے یا الزامات سے قید و بند میں جانا پڑے۔ تو تب ان حالات میں بھی اللہ کے لیے صابر رہنا ”الصبر مع اللہ“ کہلاتا ہے۔ زاہدوں کی صبر کا یہ آخری درجہ کن لوگوں کو نصیب ہوتا ہے اس کا پتہ حضرت امام سجادؑ کے اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ایک دفعہ آپؑ کسی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کے ساتھ اور بھی لوگ تھے۔ نماز کے دوران مسجد کو آگ لگ گئی اور تمام لوگ نماز چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لیکن سید الساجدین آگ سے بے خوف خطر اللہ کے بارگاہ میں سجدہ کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آپؑ کے کرتے تک آگ پہنچ گئی لوگوں کی اطلاع آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بعد میں لوگوں نے آپؑ سے سوال کیا تو آپؑ نے جواب فرمایا کہ میں اس وقت جہنم کے آگ کی حرارت اور وہاں کے عذابوں کا مشاہدہ کر رہا تھا۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو بھی دنیا کی مصائب سے صابر رہنا اور نعمتوں پر شاکر رہنے کی توفیق دے۔ آمین۔

اسلامیات

شانِ اولیاء

ڈی ایم نوری کریسی

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْ یَتَّقُوْنَ.

ترجمہ: خبردار بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔ (سورہ یونس ۱۰:۶۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضانِ نبوت میں سے ایک فیض یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میری بعثت کے بعد انسانیت کو کسی نبی اور رسول کی ضرورت نہیں رہی۔ حضورؐ کے مبعوث ہونے کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ چنانچہ امتِ محمدیؐ میں اصلاح وتجدید کے وہ کام جو ہر زمانوں میں انبیاء علیہم السلام سرانجام دیتے تھے۔ وہ حضورؐ کی امت کے علماء کے سپرد کردیے گئے ہیں۔

حضورؐ کا فرمان ہے:

عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیْل. میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ (کشف الظنون)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ. میری امت کے علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (بخاری)

اس حدیث مبارکہ میں حضورؐ نے امت کے علماء کو وارث انبیاء فرمایا ہے۔ جب حضورؐ معراج کی رات واپس آئے تو ملاء اعلیٰ کے مشاہدات میں ایک مشاہدہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں دوزخ کی قینچیوں سے کاٹی گئی تھیں۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون ہیں تو بتایا گیا۔ ھٰؤُلَاءِ خُطَبَاءِ اُمَّتِكَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ. "یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو وہ کہتے تھے خود نہیں کرتے تھے۔" وہ لوگ جو قول وعمل کی مطابقت کے معیار پر پورے نہیں اترے انہیں حدیث مبارکہ میں خطباء کہا گیا ہے۔ علماء نہیں۔ جن لوگوں کے قول وفعل اور علم میں تضاد ہو۔ قیامت کے روز ان کی زبانیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جائے گی۔ قرآن مجید میں ان کے متعلق فرمایا گیا ہے:

کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ. "بہت بڑا گناہ ہے اللہ کی بارگاہ میں یہ عمل جو تم کہو خود اس پر عمل نہ کرو۔" اس لیے علماء کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ جو کہیں پہلے خود اس پر عمل کرے۔ ان کی تبلیغ حال بن جائے۔ کیونکہ علماء کو اتنی بڑی نسبت دی ہے کہ انہیں بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل قرار دیا گیا ہے۔ مقام اور منصب میں برابر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی امت کے علماء کو وہ بلند پیغمبرانہ کام اور منصب عطا فرمایا اور انہیں وارث الانبیاء کا عہدہ بھی دیا۔ یعنی علماء وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے انبیاء کی ذمہ داریوں کو سنبھالا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْ یَتَّقُوْنَ. "یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور متقی ہو گئے۔" فرمایا جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ یوں تو میں ہر ایک کے ساتھ ہوں۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ. "اور ہم ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" یہ قرب عام ہے مگر ایک قربت خاص ہے جو وہ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے وہ یہ کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کا ہم مجلس ہوتا ہوں۔ تم اس کو تو دیکھتے ہو مگر اس کے آئینہ کردار میں میری جھلک نہیں دیکھتے۔ اس کے چہرے پر میرا نور ہوتا ہے۔ قیامت کے دن جب لوگ نفسانفسی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگ رہے ہوں گے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کون خوش نصیب لوگ ہیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کے درمیان نہ مال کا کوئی لین دین ہے نہ کوئی رشتہ مگر میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ.

بے شک یہ اللہ کے ولی ہوں گے جنہیں قیامت کے دن کی کوئی خوف اور کوئی غم نہ ہوگا۔

اولیاء کا حق شفاعت:

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔ روز قیامت جب مومنوں کو دوزخ سے چھٹکارا دے گا۔ اعلان ہوجائے گا تم جنتی ہو جنت میں جاؤ وہ امن پائیں گے۔ اب حضورؐ نے فرمایا جس طرح تم دنیا میں کسی دوست کے حق کے لیے جھگڑتے ہو وہ جھگڑا ہی کیا ہے؟ اللہ کے دوست قیامت کے دن اپنے دوستوں کو بخشوانے کے لیے اللہ سے جھگڑا کریں گے۔ یہ جھگڑا لاڈ کا جھگڑا ہوگا۔ بندے کی کوئی مجال نہیں کہ وہ رب سے جھگڑا کرے۔ یہ اعتماد اور پیار کا جھگڑا ہے جب ولیوں سے کہا جائے گا تم جنت میں جاؤ تو وہ کہیں گے باری تعالیٰ دنیا میں ہمارے کچھ دوست تھے وہ ہماری سنگت میں رہتے تھے ہمارے ساتھ مل کر نمازیں پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے۔ ان انہیں دوزخ میں جلتا ہوا دیکھ کر ہم جنت میں کیسے جائیں؟ اللہ پاک فرمائے گا:

اِذْهَبُوْا فَاَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ مِنْهُ.

جاؤ اور جنہیں پہچانتے ہو چن چن کر دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کردو۔ وہ جائیں گے اور انہیں ان کی صورتوں میں سے پہچان کر جنت میں ساتھ لے جائیں گے۔

یہ اولیاء کی شفاعت ہوگی، مومنین کاملین کی شفاعت ہوگی۔ اس لیے ہمیں اللہ کے بندوں کی محبت اختیار کرنی چاہیے۔ کیونکہ حدیث قدسی ہے:

وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی. فرمایا "میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں میں بھی ان سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔" جو میری وجہ سے ایک دوسرے کی مجلس میں بیٹھتے ہیں ان سے بھی محبت کرتا ہوں اور جو میری خاطر میرے کسی بندے کی زیارت کے لیے چل کر جاتا ہے اسے سے بھی محبت کرتا ہوں اور جو میری وجہ سے میرے بندوں پر خرچ کرتا ہے اس سے بھی محبت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کی خیرات عطا فرماتا ہے جو دنیا و آخرت دونوں جگہوں پر کام آئے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: محرم الحرام کا پیغام اور معنویت

غریب وسادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتداء ہے اسماعیلؑ

یزید کی حکومت بہرحال ایک مسلمان ہی کی حکومت تھی وہ خود نہ صرف کلمہ گو تھا بلکہ اُس کے ہاتھ پر وقت کے اکثر عمائدین نے طوعاً کرہاً بیعت کر لی تھی چنانچہ اس نے امیرالمومنین کے منصب وخطاب پر قاہرانہ قبضہ کرلیا تھا اس کا ملک بھی تمام تر مسلمان ہی کا ملک تھا۔

یزید نے تمام مسلمانوں سے اپنے وفاداری کا حلف لینا ضروری سمجھا مگر حضرت امام حسینؓ کی بر وقت شہادت نے اس فریب کا پردہ چاک کردیا اور واضح کر دیا کہ درحقیقت ایک اسلامی حکومت وہی ہوتا ہے جس کا ڈھانچہ تمام خالص اسلامی اصولوں پر قائم ہو۔ مسلمان اسلام کے کسی ایک اصول کو بھی ٹوٹتا ہوا کبھی بخوشی گوارہ نہیں کرسکتا۔ اور اگر اس کی زندگی میں کوئی ایسا وقت آجاتا ہے کہ اس کے سامنے اسلام کے کسی اصول کو توڑا جاتا ہے تو وہ اس کی بحالی کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے سے گریز نہیں کرتا بلکہ وہ اس قربانی کو اپنا فریضہ اور سعادت سمجھتا ہے۔

حکومت میں صرف ایک خرابی پیدا ہوئی تو حضرت امام حسینؓ نے اس کی اصلاح کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ آپ کو مجبور کیا گیا کہ آپ یزید کے جبری وغیر اسلامی انتخاب کو تسلیم کریں لیکن آپ نے صاف صاف انکار کر دیا کہ میں ایک ایسے شخص کی اطاعت نہیں کر سکتا جس کا انتخاب اسلامی نقطہ نظر سے اصولاً غلط ہے۔ آپؓ کو بلکہ آپ کے کنبہ کے تقریباً بہتر اہم ترین رضا کاروں کو بھی اس جرم کی پاداش میں میدان کربلا کی چلچلاتی ریت پر دریائے فُرات کے فراوانیوں کے درمیان تشنہ شہید کر دیا گیا۔ یہ شہادت بے نظیر وعظیم قربانی ہے۔

☆☆☆☆☆

فضائل و مسائل طہارت

حفاظتِ آب کا حکم

مولانا شکور علی انور

دینِ اسلام میں دیگر چیزوں کی طرح پانی کو بھی نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک رکھنے کا حکم موجود ہے۔ استعمال میں لانے والے پانی کو آلودگی سے بچانا بہت ضروری ہے۔ بلکہ خاص کر استعمال میں آنے والے ندی نالوں کے بہتے پانی یا رکے ہوئے پانی کو ناپاک کرنے سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جب تم وضو و غسل کرنے کا ارادہ کرو تو سب سے پہلے اس پانی کی طرف توجہ دو جسے استعمال میں لاتے ہو۔ جب تک وہ پاک صاف نہیں ہے تو تم خدا کی رحمت سے محروم رہو گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو قربتوں کی کنجی قرار دی ہے۔ اور دعاؤں کی قبولیت کا مدار قرار دیا ہے۔ اور پانی کی بندگی اور اطاعت اور اپنی عبادت کی بنیاد بنایا ہے۔ کیونکہ پانی خدا کی خصوصی نعمت ہے۔ یہ بندوں کے میل کچیل دھوڈالتا ہے۔ "ظاہری نجاست کثافتوں کو دفع کرتا ہے اور جسم لباس اور برتنوں کو پاک صاف کرتا ہے۔" (مصباح الرحمۃ ۴۳)

جیسا کہ کلام الٰہی میں بات پر دلیل ہے کہ: هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا. (مائدہ ۱۴)

وہی اللہ جو ہواؤں کو اپنی رحمت کی بشارت کے طور پر چلاتا ہے اور آسمانوں سے پاک پانی نازل فرماتا ہے۔

اس لیے پانی کو غلاظت ونجاست سے پاک رکھنا واجب ہے۔ اسلامی شریعت میں اس کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ میر سید محمد نوربخشؒ کا فتویٰ ہے کہ اگر جاری پانی کی رفتار کمزور ہو شہروں میں چلتا ہو لوگ اس کمزور پانی سے استنجا کرتے ہوں، نیز اس کا رنگ، بو ذائقہ تبدیل ہو چکا ہو تو ایسے پانی کا پینا حرام ہے اور اس کا استعمال کرنا برتنوں، جسم، اور کپڑوں کا ناپاک کرنا کا باعث ہیں۔

کیونکہ تمام عبادتوں کی بنیاد پاکی پر ہے اور پاکی کی بنیاد پانی پر۔ اس معاملے میں سستی صرف ایمان کی کمزوری، نفس اور شیطان کے غلبے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (الفقہ الاحوط)

حدیث شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے: اَنَّهٗ نَهٰی اَنْ یُّبَالَ فِی الْمَآءِ الرَّاكِدِ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکے ہوئے پانی میں بول وبراز کرنے سے منع فرمایا۔ ایسے کئی روایات ملتی ہیں جن میں پانی میں غلاظت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت امام محمد نوربخشؒ فرماتے ہیں کہ: اَنْ لَا تَقْضِی الْحَاجَةَ فِی الْمَآءِ جَارِیًا كَانَ اَوْرَاكِدًا اِلَّا فِی الْبَحْرِفَاِنَّهٗ خررورۃ. (الفقہ الاحوط)

پانی میں قضائے حاجت نہ کرے چاہے وہ جاری ہو یا ٹھہرا ہوا ہو۔ مگر ضرورت پڑنے کی صورت میں سمندر اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب (پاخانہ) کیا جائے۔ (مسلم شریف)

ٹھہرے ہوئے پانی سے وہ مراد ہے جو دریا کی طرح جاری نہ ہو۔ جیسے ٹھہرے ہوئے جھیل، جوہڑ، حوض، تالاب وغیرہ کا پانی۔ یہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں غلاظت ونجاست کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا اَنْزَلْنَا الْمَآءَ مِنَ السَّمَآءِ سَیُطَهِّرُكُمْ ہم نے آسمان سے پانی اتارا تاکہ تم اس سے پاکی حاصل کرے اللہ کا دیا ہوا پانی پاک ہے بلکہ دوسری چیزوں کو بھی پاک کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

دینیات

اسلام میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں

آمنہ بتول سرمیکی،مدرسہ شاہ ہمدان کراچی

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

ترجمہ: اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت کرو۔مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کیے اور عورتو ں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کیے۔اور خدا سے اس کا فضل (وکرم) مانگتے رہو۔کچھ شک نہیں کہ خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

اسلام میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریوں کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس آیت کی گہرائی میں جانا ہوگا۔اس آیت کا شان نزول بھی بہت دلچسپ ہے۔

حضور کی زوجہ محترم حضرت ام سلمیٰؓ نے ایک بار اللہ کے رسولؐ سے پوچھا کہ جس طرح عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں میراث آدھی ملتی ہے، کیا اسی طرح نیک اعمال کی جزا بھی عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں آدھی ملے گی؟ ان کی نیت ہرگز حضورؐ سے شکایت کرنے کی نہیں تھی۔ بلکہ وہ یہ سوال پوچھ کر اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہتی تھیں۔اسی طرح کچھ اور عورتوں نے یہ ظاہر کی کہ کاش وہ بھی مرد ہوتیں تو جنگ میں حصہ لے کر اللہ کی مہربانی اور خوشنودی سے اور زیادہ فیض یاب ہوتیں۔ان تمام سوالوں کے جواب اس آیت کریمہ میں دیے گئے ہیں۔اللہ نے ام سلمیٰ اور تمام دوسری عورتوں اور مردوں سے یہ صاف صاف فرمادیا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش نہ کریں۔اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کے ساتھ بعض لوگوں پر بعض لحاظ سے فوقیت عطا فرمائی ہے۔آئیے ہم اس بات کو ذرا تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کریں۔اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو پستہ قد بنایا ہے تو کسی کو دراز قد،کسی کو معمولی شکل وصورت کا بنایا ہے تو کسی کو بہت خوبصورت پیدا فرمایا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اور زیادہ حسین اور خوبصورت بنا دیتا،تو وہ اپنی خوبصورتی اور دلکشی کی وجہ سے غلط راستے پر پڑ جاتا اور گناہوں کا مرتکب ہوتا،اللہ تعالیٰ نے اسے بہت ہی زیادہ حسین نہ بنا کر گناہوں سے بچا لیا۔اسی طرح کچھ لوگ حیثیت کے حساب سے غریب ہیں اور کسی کا رتبہ دنیاوی اعتبار سے کم ہے۔اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم تھا کہ اگر وہ ان کو امیر کبیر یا زیادہ با حیثیت بنا دیتا تو یہ لوگ اپنی امارت اور مرتبہ کے ساتھ انصاف نہ کر سکتے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ مسجد کے لیے پورے شہر میں ایک خاص خطہ زمین کا انتخاب فرماتا ہے اور یہ مخصوص خطہ زمین شہر بھر کی تمام عمارتوں سے افضل واعلیٰ بن جایا کرتی ہے۔اسی لیے ہم تعظیماً مسجد میں داخل ہوتے ہی تحیۃ المسجد کی دو رکعت نماز نفل ادا کرتے ہیں۔جو اس بات کا خاموش اعلان ہے کہ یہ مخصوص عمارت شہر بھر کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہے۔

ہم اکثر خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس گھر کے لیے ریگستان کے ویرانے میں ہی ایک مخصوص جگہ کیوں پسند فرمائی؟ جو دنیا کے تمام عبادت گاہوں اور مساجد میں سب سے زیادہ معزز ومکرم ہے۔اس راز کو اللہ ہی جانتے ہیں۔پس اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور حکمت سے ایک چیز کو دوسری چیز پر سبقت یا فوقیت عطا فرماتے ہیں۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کو بھی بعض لحاظ سے ایک دوسرے پر برتری اور بڑائی عطا فرمائی ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (البقرہ ۲۵۳)

ترجمہ: یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اس تفصیل کے ساتھ ہم پر یہ بات بالکل واضح ہونا چاہیے کہ اللہ نے ہمیں جو کچھ اور جتنا کچھ بھی عطا فرمایا ہے ہمیں اس پر قانع رہنا چاہیے۔ مثلاً ایک عورت کو مرد کے کرنے کا کام دیا جائے تو اس عورت سے بخوبی ادا نہیں کر سکتی۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ام سلمٰی اور دوسری عورتوں پر یہ بات واضح کر دی کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو آدھا انعام یا آدھی جزا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ مردوں اور عورتوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا یکساں عطا کی جائے گی۔

وَمَنْ عَمِلَ صٰلِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ. (سورہ مومن)

ترجمہ: اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو صاحب ایمان بھی ہوگا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

ایک بار حضرت ام عمارہ انصاریہ اور حضرت اسماء بنت عمیس نے رسولؐ سے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ زیادہ تر مردوں سے ہی بلاواسطہ خطاب فرماتا ہے۔ ہم اس بات سے فکرمند ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم عورتوں کے لیے بھی کوئی وعدہ فرمایا ہے یا نہیں؟

جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورہ الاحزاب آیت ۳۵ میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: (جو لوگ خدا کے آگے سر اطاعت خم کرنے والے ہیں یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راستباز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والے عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والے عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والے عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والے عورتیں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والے عورتیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کے لیے خدا نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

لہٰذا اسلام میں مردوں اور عورتوں کے حقوق اور جزا برابر ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کچھ لوگ بہت زیادہ امیر کبیر ہیں، کسی کے پاس علم بہت زیادہ ہیں، اور کوئی ہے جو روحانیت میں بہت بڑا ہے۔ اسلام ہمیں مندرجہ بالا تینوں چیزوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی اجازت دیتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کامرانی و کامیابی حاصل کرنے کے لیے اللہ سے دعا کریں۔ اگر اس میں ہمارے لیے بھلائی کا کوئی پہلو ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہماری دعا قبول فرما کر ہماری مرادیں ضرور پوری کرے گا۔ کیونکہ وہی سب کچھ جانتا ہے اور خوب حکمت کرنے والا ہے۔

آیئے ہم دیکھیں کہ اسلام میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ.

ترجمہ: مرد عورتوں کے انچارج ہیں اس لیے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مرد عورتوں پر ظلم و جبر کرنے لگے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ترجمہ: اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ (سورہ النساء ۱۹)

کیونکہ مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر ہیں۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. ترجمہ: اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔ (سورہ بقرہ ۲۲۸)

بلکہ مردوں اور عورتوں کو گھریلو امور میں مشورہ کرنا چاہیے

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ. ترجمہ: دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضامندی اور مشورہ سے طے کرلیں۔ (سورہ بقرہ ۲۳۳)

پس اسلامی معاشرے میں میاں بیوی کو ہر مسئلہ میں ایک دوسرے سے حسن اخلاق سے مشورہ کرنا چاہیے۔ بالآخر حتمی فیصلہ مرد

باقی صفحہ نمبر 37 پر

نوربخشیات

نوربخشؒ کے سائنسی افکار

(گزشتہ سے پیوستہ)

ذاکر حسین ذاکر

نور اور رفتارِ نور:

ارشاد باری تعالیٰ ہے اللہ نور السمٰوت و الارض ”بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے“ (القرآن)۔قرآن پاک میں لفظ نور کئی مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔ خود کتاب الٰہی کو بھی نور قرار دیا ہے۔اور اہل ایمان کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ انسانوں کو ظلمت سے نور کی طرف کھینچ لاتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کیسے کی ہیں، لیکن اس آیت کریمہ کی سائنسی اور عرفانی تشریح پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، اور ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مادی صورت میں نہیں ہے،تو یہ ہمہ گیر موجودگی omnipresence نور کی صورت میں ہے۔ انشاء اللہ آگے چل کر ہم لفظ نور کو سمجھنے اور نوربخشی کونیات میں اس کی اقسام و انواع پر بات کریں گے۔ اگر یوں کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ نوربخشی سلسلہ تصوف اور عرفانیات میں تصور ”نور“ مرکزی حیثیت کا حامل ہے اور باقی تمام معارف اسی تصور سے ماخوذ ہیں۔

عربی ادب میں اور اس سے ماخوذ اردو ادب میں بھی لفظ نور کئی مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ذہن و شعور، روشنی، فہم و فراست، علم، عقل و دانش،توانائی قوت، بصارت و بصیرت، حس وادراک کی صلاحیت،توانائی،ضیاء،اشیا کو قابل دید بنانے کی صلاحیت یعنی حقائق اشیا کو جاننے کی استعداد، جیسے مفاہیم میں استعمال ہوئے۔ اگر عکس معنی سے پہچاننے کی کوشش کریں تو ’نور‘ تاریکی، ظلمت، سیاہی، اندھیر نگری، عدم ادراک، عدم احساس، عدم وجود، کثیف مادیت جیسے مظاہر کی متضاد کے طور پر بھی مستعمل ہیں۔ اس پر دلچسپ بات یہ ہے کہ ان تمام مظاہر کی وجود نور کی عدم موجودگی کے باعث ہے، ان کی اپنی مستقل بذاتہ کوئی وجود نہیں۔ نور جب آجائے تو ظلمت خود بخود مٹ جاتی ہے۔ علم جہالت کے اندھیروں کو مٹا دیتی ہے۔حق کی آمد کے ساتھ باطل کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر ظلمت عدم نور کا نام ہے۔

میر سید محمد نوربخشؒ نے نور کے موضوع پر ایک مختصر جامع اور دقیق کتاب ”نوریہ“ کے عنوان سے لکھی ہے، جسے آپ نے ایک اور ولی کامل شیخ شہاب الدینؒ کی نور سے متعلق سوالات اور اس موضوع پر تحریری فرمائش پر تالیف فرمایا۔ اس کتاب میں نوربخشؒ نور کی اقسام، انواع، درجات، عوالم بالا کی مختلف طبقوں میں نور کی مختلف کیفیات، رفتار اور اسرار کے بارے حقائق سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ اس کتاب میں میر سید محمد نوربخشؒ نور کی تین اقسام بیان فرماتے ہیں (۱) نور وجود (۲) نور علم یا نور شعور (۳) نور ضیاء۔

جس نور کو ہم روشنی light کہتے ہیں اس کا تعلق نور کی تیسری قسم یعنی نور ضیاء سے ہے جو دراصل برقناطیسی امواج نور پر مشتمل ہے، اس میں صرف عام آنکھوں سے قابل دید شعاعوں کے علاوہ بالائے بنفشی سے ایکسرے اور گاما رےز تک اور زیرین سرخ شعاعوں تک تمام شعاعیں شامل ہیں۔ جس نور کے رفتار کی حد ہے وہ نور ضیا ہی کی ایک ذیلی قسم ہے، اور بقول آئن سٹائن روشنی کی توانائی خود مادے کی ہی ایک صورت ہے۔ کیونکہ مادہ اور توانائی ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ چونکہ مادہ متعین اور محدود ہے، اس کی رفتار بھی متعین اور محدود ہے ،لہذا روشنی یا توانائی جو مادے کی لطیف ترین شکل ہے، یہ بھی متعین اور محدود ہے، لامحدود نہیں۔ روشنی کی رفتار کا درست تعین پچھلی صدی کے اوائل میں ہو چکا ہے جو تقریباً تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ اور اب اسے رفتار کی آخری حد تسلیم کی جاتی ہے۔

جب ہم ’نور وجود‘ یا ’نور شعور‘ کی بات کریں تو ان اقسام نور

کے رفتار کی حدود کا تعین ابھی تک نہیں ہو سکا ہے، بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ نور کی ان اقسام کی پیمائش یا حد کا تعین سائنس کی حدود سے باہر ہیں۔تاہم ان اقسام نور کے بارے میں صوفی روحانیت خاموش نہیں۔ان ماورائی انوار و تجلیات کے اسرار و رموز کے بارے میں ایک ولی کامل کی استدعا پر میر سید محمد نوربخشؒ نے کتاب نوریہ لکھی جس میں انواع و اقسام نور کی بیان کے علاوہ رفتار نور کے ساتھ کائناتی فاصلوں کے بارے میں بھی انتہائی دقیق نکات بیان فرمائے ہیں جن کی درست تفہیم کیلئے انتہائی عرق ریزی، فلکیاتی سائنس سے آگاہی اور روحانیات کے ساتھ صوفی کونیات سے بھی آگاہی ضروری ہے۔جدید سائنسی زبان میں مناسب تشریح اس کتاب کی نکات کو عام فہم بنا سکتی ہے۔

اقسام نور کی تشریحات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ نور دراصل ایک قسم کی توانائی اور ادراک کی صلاحیت ہے جو تبدیلی پیدا کر سکتی ہے۔ایک ایسی توانائی جو کوہ طور کو جلا سکے اور آتش نمرود کو ٹھنڈا کر سکے، کیونکہ دونوں توانائیاں ایک ہی منبع نور کی جلوہ گری ہے۔اس طرح بطور ادراک صلاحیت یہ وہ استعداد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پنگوڑے میں تکلم عطا کرتی ہے، اور علی ابن ابی طالبؑ کو سلونی سلونی ...... کا داعی بنا دیتا ہے۔بقول مرشد رومیؒ یہ نور پہاڑوں کو رقصان کرا سکتی ہے یا کرتی ہے (غ: کوہ در رقص آمد و چالاک شد)۔

نور اُس استعداد کا نام ہے جو نامعلوم کو معلوم بنا سکتی ہے۔ ضروری نہیں اس کیلئے ظاہری وسائل ہوں۔مثلاً بینائی سے معذور کوئی شخص روشنی یا رنگوں کی ادراک سے تو قاصر ہے، لیکن اس کا روشن دل و دماغ ممکن ہے دیکھنے والوں سے کہیں زیادہ بہتر ادراک کی صلاحیتوں کا حامل ہو۔یہ بھی نور ہے۔مولا علی علیہ السلام نے اسی لئے فرمایا:

رضینا قسمت الجبار فینا　　لنا علم و للجہال مال

لانا العلم نور من الٰہی　　و نور اللہ لا یعطی لعاصی

ہم اپنے پروردگار کی تقسیم پر خوش ہیں جس نے ہمیں علم اور جاہلوں کو مال دیا کیونکہ علم نور الٰہی ہے اور یہ نور خداوندی گنہگاروں کو عطا نہیں ہوتی۔''

اس نور علم سے مراد شعوری اور ادراکی صلاحتیں ہیں، جو روشنی کے علاوہ ہے۔

یوں کائنات میں شعور و آگہی کی جو نعمت ہے اور توانائی کی جو قسمیں ہیں سبھی نور کی کیفیات ہیں۔نہ ہم توانائی کے بنا زندہ رہ سکتے ہیں، نہ ہی شعور و آگہی کے بغیر۔شعور کی سطحیں جمادات سے لے کر نباتات، حیوانات، انسان، فوق الانسان اور انسان کامل کے مدارج میں مختلف ہوتے ہیں۔لیکن اس کا وجود کسی نہ کسی طور موجود ہوتا ہے، اور یہی نور کی ہمہ گیریت ہے۔یہاں ہم اپنی گفتگو صرف نور ضیاء تک محدود رکھتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق سائنسی علوم سے بھی ہے۔کسی حد تک نور علم یا نور شعور کا بھی تذکرہ ہوگا کیونکہ علمیاتی مباحث کیلئے بطور حوالہ اس کا تذکرہ ضروری ہے۔تاہم نور وجود جو خالصتاً روحانی اور وجود باری تعالیٰ کے بارے میں ہے، ہمارے اس مضمون کی حدود سے بالاتر ہے۔

کائنات کے ایسے دور دراز سربستہ گوشوں کے بارے میں بھی جہاں کسی اور شے کی موجودگی کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا، یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں توانائی (نور) کی کوئی صورت ضرور ہوگی۔دراصل ہمارے لئے آفاق کی سربستہ رازوں سے پردہ اٹھانے والا بھی نور ہے۔انفرا ریڈ شعاعوں سے لے کر کائناتی شعاعوں cosmic rays تک امواج نور کی بے پناہ انواع و اقسام (مختلف فریکوینسی کے شعاعیں) ہمیں خلائے بسیط کے رازوں کو منکشف کرتی ہیں۔دور حاضر کا الیکٹرانک میڈیا کیا ہے؟ برقناطیسی شعاعوں کی اشاعت، ترسیل اور وصول ہی تو ہیں جن سے ہمیں اس قدر معلومات ملتی ہیں، جس کا شاید آج سے نصف صدی قبل تصور بھی ناممکن تھا۔زمین سے مریخ پر مشینوں کو ہدایات اور وہاں سے زمین تک تصاویر کا ارسال، سبھی نور ہی کے کارنامے تو ہیں۔لیکن یاد رکھیں کہ سائنس نے نور کو صرف برقناطیسی شعاعوں (electromagnetic rays) تک محدود سمجھا ہوا ہے۔اگرچہ خود اس محدود معنی میں جو لامحدود امکانات ہیں اس کا شاید تصور بھی نہ کیا جا سکے، لیکن پھر بھی ابھی تک سائنس طبعی توانائی کی سرچشموں تک محدود ہے، جبکہ تصوف توانائی کی ان طبعی سرچشموں کے

ساتھ توانائی کی روحانی اور نفسیاتی سرچشموں کی بھی خبر دیتی ہے، جہاں ادراکی توانائیوں کے دریا بہتے ہیں۔ اس سمت میں ابھی تک سائنسی اعتبار کوششیں ضرور ہوئی ہیں لیکن زیادہ پیش رفت نہیں ہوئی۔ چند دانشوروں نے توانائی کے ان مخفی منابع کی وجود کو تسلیم کیا ہے۔ جبکہ راہ علم کے کئی دیگر مسافروں نے اس کو امکانات کی فہرست میں رکھا ہے۔

یہاں سے آگے ہم نور کو طبعی اور روحانی توانائی کے معنوں میں استعمال کریں گے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ چونکہ ابھی تک سائنس صرف طبعی منابع تک محدود ہیں لہذا آئن سٹائن نے پہلی مرتبہ یہ کہا اور ثابت کرنے کی کوشش کیا (خود سے ثابت بھی کیا، لیکن چونکہ ہمیں یہاں پر ان سے اختلاف ہے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ثابت کرنے کی کوشش کیا) کہ کوئی بھی مادی شے زیادہ سے زیادہ روشنی کی رفتار تک سفر کر سکتی ہے لیکن اس صورت میں مادہ خود توانائی میں بدل جائے گا۔ مادہ اور توانائی ایک ہی حقیقت کے دو مختلف مظاہر ہیں۔ یوں کائنات میں روشنی کی رفتار قابل حصول یا ممکنہ رفتار کی آخری حد ہے۔ کوئی بھی شے روشنی کی رفتار سے تیز سفر نہیں کر سکتی۔ اور روشنی کی رفتار تقریباً تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔

یہی وجہ ہے اور یہی حدود limitations ہیں جن کی وجہ سے کوئی بھی انسان کسی دور خلائی مقام پر زمانی اعتبار سے حال کو نہیں جان سکتا۔ مثلاً مریخ سے ہمارے پاس معلومات اور تصاویر کی آمد جاری ہے۔ اس خاص لمحے جب میں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں، جو تصویر مجھے ملتی ہے وہ ابھی سے چودہ منٹ قبل کی تصویر ہے۔ نہیں معلوم اس عرصے میں وہاں کیا کچھ ہوا ہوگا اور اس وقت کیا ہو رہا ہوگا؟ یہ جاننا سائنس کی بس کی بات نہیں۔ سورج سے ہم تک جو روشنی پہونچتی ہے وہ ہے آٹھ منٹ اور کچھ سیکنڈ ہے، اس کا مطلب ہے کہ جب آپ سورج کو دیکھ رہے ہیں تو ہمیشہ زمینی حوالوں کے مطابق زمانی حوالے سے ہم آٹھ منٹ پرانی سورج دیکھتے ہیں، ہم پانچ یا چار منٹ پرانی سورج دیکھنے سے بھی قاصر ہیں۔ اور آئن سٹائن کی نظریے کے مطابق روشنی کی رفتار کو رفتار کی آخری حد مانتے ہوئے ایسا ناممکن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سائنسی اعتبار سے ہم کائناتی حوالوں سے بات کریں تو ہمیشہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہیں۔ ہم کسی بھی واقعے کی صرف ماضی کو جان سکتے ہیں، حال یا مستقبل کا معائنہ یا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ جب میں یہ جاننے کے قابل نہیں ہو سکتا کہ مشتری پر اس وقت کیا ہو رہا ہے (کیونکہ رفتار نور کی حد کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں)۔ مشتری چھوڑ دیں ہم اسی زمین کے کسی کونے میں اسی لمحے جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ سیکنڈوں میں نہ سہی ملی اور مائکرو سیکنڈز میں فرق ضرور ہوگا اور آپ ہمیشہ ماضی کو دیکھ یا سن رہے ہوں گے، چونکہ زمانی وقفہ بہت کم ہے لہذا ہماری حواس اسے بطور حال ادراک کر لیتی ہے۔ جس طرح ہم ٹی وی لائیو پروگرام دیکھتے ہیں یا انٹرنیٹ پر ویڈیو کال یا کانفرنسنگ کرتے ہیں۔ تو یہ بات صاف صاف خارج از امکان ہے کہ میں حال کو بالکل عین حال کی صورت میں تجربہ کر سکوں۔ اگر ایسا ممکن نہیں تو چند لمحوں بعد یعنی مستقبل کے بارے میں تجربہ (مشاہدہ کرنے) کے قابل ہونا سائنس کیلئے ناممکنات میں سے ہی ہے۔ یہاں سے سائنس کا سفر ختم اور روحانیات کی شروع ہوتی ہے۔

تصوف اور خصوصاً نوربخشی کونیات میں رفتار نور، رفتاروں کی آخری حد نہیں، بلکہ رفتار نور کی تو حد ہی نہیں، انسان نہ صرف کسی بھی خلائی مقام یا وجود کی حال کے بارے میں جان سکتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ دیدۂ بینا کے ذریعے مستقبل کی واقعات کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ میر سید محمد نوربخشؒ اپنی کتاب انسان نامہ اور کتاب نوریہ دونوں میں اس حدیث شریف کی تشریح میں اس طرف اشارہ فرماتا ہے۔ حدیث یوں ہے اتقو فراسة المؤمن فانه ...... مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ نور خداوندی سے دیکھتا ہے۔ اب جسے اگر نور خداوندی نصیب ہو تو کیا وہ حال اور مستقبل کا مشاہدہ نہیں کر سکے گا؟ جس ازلی وابدی نور سے کسی کی بصارت مستنیر ہو جائے تو کیا وہ حال اور مستقبل کو نہیں دیکھ پائے گا؟ قرآن مجید میں بھی اس طرف واضح اشارات موجود ہیں۔

یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم، و لا یحیطون بشئی من

علمہ الا بما شاء.

(ترجمہ) وہ پروردگار جو کچھ تمھارے سامنے ہے یعنی حال اور جو کچھ تمھارے پیچھے (بعد میں آنے والا) ہے، سب جانتا ہے اور اس کی علم کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا، مگر جسے وہ چاہے۔

یعنی جسے اللہ چاہے اسے حال اور مستقبل دونوں کا علم عطا کرتا ہے۔ اگر ہم اولیا، ائمہ اور انبیائے کرام کی پیش گوئیوں کا مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہیں مستقبل کا علم حاصل تھا۔ لیکن یہ علوم اُنھیں عطا ہوتی ہیں جنھیں اللہ چاہتا ہے، یعنی جن سے اللہ پیار کرتا ہے اور جن پر راضی ہوتا ہے۔ بما شاء کا مفہوم یہ ہے کہ جسے اللہ نے چاہا۔ اور یہاں چاہ کے اولین معنی چاہت کے ہیں، محبت کے ہیں، پھر مرضی اور منشا کے۔ یعنی جو شخص اپنے آپ کو خدا کی چاہت کا اہل بنائے۔ بقول اقبال ؎

یزداں بکمند آور   اے ہمت مردانہ

کے مصداق پروردگار کی چاہت جیت لے اور اس پر اللہ کی مرضی اور منشا شامل ہو تو اسے حال اور مستقبل کو احاطہ کرنے کی استطاعت عطا کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ ان علوم کا احاطہ کسی (سائنس) کے بس کی بات نہیں، لیکن اللہ جن پر راضی ہوں اور اس کی منشا میں ہو تو ایسے لوگ حال اور مستقبل کی علوم کا بھی احاطہ کرسکتے ہیں۔ کیونکہ وہ نور خداوندی سے دیکھتے ہیں۔ اس نور کے رفتار کی کوئی حد نہیں (لامتناہی ہو سکتا ہے) جس سے نہ صرف حال کو عین حال میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، بلکہ مستقبل کو بھی اپنے نورانی بصیرت کی رفتار سے پکڑ سکتے ہیں۔ اب حال کو عین حال میں دیکھنا، یعنی وقت کا صفر ہونا۔ رفتار یا ولاسٹی کی فارمولے میں وقت کا صفر ہونا صرف اس صورت میں ممکن ہے، جب یا تو فاصلہ صفر ہو، یا رفتار لامتناہی ہو۔ اور کسی بڑے سے بڑے فاصلے کو بھی جب لامتناہی سے تقسیم کرے گا تو حاصل صفر آئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کے وہ گوشے اور وہ پر اسرار دنیائیں جو سائنسی اعتبار سے ہزاروں، لاکھوں نوری سال کے فاصلوں پر موجود ہیں، روحانی رفتار نور کے ساتھ ان تک آن واحدہ میں رسائی ممکن ہے۔ اور کائنات کے کسی بھی کونے کی حال کو عین حال میں جانا جاسکتا ہے۔ مثلاً روحانی اعتبار سے ایسا عین ممکن ہے کہ ہمارے ہمسایہ کہکشاں میں حیات انسانی جیسی زندگی والے کتنے سیارے موجود ہیں اور وہاں اس وقت کیا ہو رہا ہے۔ میری حقیر رائے میں اگر جنت اور جہنم کے تمثیلات کو عملاً وجودی صورت میں دیکھنا چاہیں تو ممکن ہے اس طرح کے لاکھوں سیارے اور ستارے ہوں جن پر جنت اور جہنم کی تمام تر کیفیات ابھی سے موجود ہوں اور ہماری روح جسم خاکی سے پرواز کے بعد اسی روحانی رفتار سے فوراً وہاں جا پہونچے۔ حضور اکرم کا واقعہ معراج اسی رفتار سے ہوئی اور آپ سات آسمانوں اور عرش تک کا سفر طے کرکے جب واپس تشریف لائے تو گویا وقت گزرا ہی نہیں تھا۔ عرفانی لٹریچر میں رفتار کی لامحدودیت کو سمجھانے کیلئے فاصلے کو سمیٹنے کی بات کی جاتی ہے، یعنی فاصلہ صفر ہو جائے۔ لازمی بات ہے جب رفتار لامحدود ہو تو اس کے مقابلے میں کوئی بھی محدود فاصلہ صفر ہی ہوگی۔ اس کیفیت اور مظہر کو طوع الارض کہتے ہیں۔ بلتی زبان میں اس کیلئے ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہے زمین کی رگیں کھینچنا، یعنی اگر کوئی بزرگ لمحوں میں کسی مادی واسطے کے بغیر دور دراز مقامات تک فوراً پہنچ جائے تو کہتے ہیں زمین کی رگ کھینچ لی، یوں فاصلہ سمٹ کر مختصر ہوگیا۔ بقول ایک عارف کے ایسی صورت میں جب آپ قدم اٹھاتے ہیں تو آپ پہلا قدم اس بر اعظم میں ہوگا اور دوسرا قدم دوسرے بر اعظم میں، یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ گلوب آپ کے سامنے ہو تو آپ آسانی سے ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچ سکتا ہے یا یوں کہیں کی زومنگ zooming کی صلاحیت کے مطابق آپ گلوب کے کسی بھی حصے پر فوراً پہنچ سکتا ہے، اس بات کو مزید آسان بنائیں تو یوں کہیں کہ جس طرح گوگل ارتھ Google Earth پر ہم اپنا گاؤں اور گھر دیکھ سکتے ہیں، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے ہر کونے کی رواں ویڈیو ایک سپر ٹیکنالوجی کی بدولت بندۂ مؤمن کی نگاہ دیکھ سکے۔ بات ٹیکنالوجی کی ہے۔ اگر ایک زمینی ٹیکنالوجی والی گوگل ارتھ پر آپ دنیا کے کسی کونے کی بھی نہایت قریبی تصویر دیکھنے کے

قائل ہو سکتے ہیں تو اس سے چند قدم آگے کی امکانات کا انکار کیوں کریں۔خیر ہمارے لیے تو یہ باتیں ابھی تک تو افسانوی ہی ہوں گے۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ہم اپنی کوتاہ رفتاری کو بنیاد بنا کر اولیائے کرام کی برق رفتاری سے انکار تو نہیں کر سکتے۔آپ نے تاریخ میں کتنے ایسے واقعات سنے ہوں گے جن میں ایک ولی کامل لمحوں میں نہ جانے کہاں سے کہاں ہو آتے ہیں۔عاشورا کے دن مولا حسینؑ کے سلطان قیس کی فریاد کو پہونچنا، بدر کی میدان میں دشمنوں کو ہر طرف اور ہر جگہ علیؑ کا نظر آنا، میر سید علی ہمدانیؒ کا تبت کی سفر کے دوران روم میں مسلمان علماء اور مسیحی راہبوں کے مابین مناظرے کے موقع پر پہنچ جانا اور ان کے علاوہ ایسی بے شمار واقعات جو تاریخ کا حصہ ہیں، محض کہانیاں نہیں۔ان میں سے اکثر میں کچھ صداقتیں بھی ضرور ہوں گی۔

کتاب نوریہ کی مفاہیم اور رفتار نور کے ساتھ فلکیاتی سائنس کی دقیق نکات کی تشریح کیلئے مذکورہ کتابوں کی متن کو سائنسی زبان اور مفاہیم میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔تراجم میں شاید آپ کو سائنسی پہلو سے ترجمہ نہ ملے اور ترجمے کی تنگ دامانی کی وجہ سے آپ ان کو محض صوفیانہ استعارے، تشبیہات اور تشریحات سمجھ بیٹھیں۔جو ممکن ہے ایک سائنسی پس منظر رکھنے والے کیلئے نہ صرف تشبیہات بلکہ غیر معقول اندازے لگے۔لیکن اگر اس کتاب کی متن کو سائنسی زبان میں پیش کیا جائے تو شاید قارئین نہ صرف نوربخشؒ کے علمی مقام کے معترف ہوں بلکہ آج سے سات سو سال قبل اس نوعیت کی غیر معمولی سائنسی حقائق کی بیان دیکھ کر نور کے اصل فلسفے اور اولیاء اللہ کے نور خداوندی سے دیکھ سکنے کی بات پر بھی یقین آ جائے۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ جدید سائنس میں روشنی کی رفتار بیسویں صدی (1905) میں مائکلسی مورلے نے معلوم کی، جو تقریباً تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔اور آئن سٹائن نے روشنی کی رفتار کو طبعی رفتاروں کی مستقل اور آخری حد قرار دے کر رفتار نور کی کے حساب سے فلکی فاصلوں کو پیائش کرنے اور نوری سال light yearsیا نوری ایام اور لمحات میں فاصلوں کو بیان کرنے کی راہ ہموار کی اور آج ہم آسانی سے نوری سال کو فاصلے کی اکائی کے طور پر جانتے ہیں۔جدید سائنس میں یہ اضافہ بیسویں صدی میں ہوئی۔لیکن فاصلے کی اکائی کے طور پر نوری ماہ و سال اور ایام کا تصور میر سید محمد نوربخش نے بعینہ انہی مفہوم میں کتاب نوریہ میں بیان فرمایا ہے۔نہ صرف یہ بلکہ جدید علم فلکیات میں مستعمل بین السیاراتی اور بین الکہکشانی فاصلوں کی ایک اور اکائی کو جو نوری سال سے بھی زیادہ ہے، اس کو بھی متعارف فرمایا ہے۔اس پر مزید حیران کن اور دلچسپ بات یہ اس اکائی کی بالکل درست حساب calculation بھی دیا ہے۔نوربخشؒ نے ہمارے کہکشاں ملکی وے (milky way) کا قطر بھی اسی اکائی میں بیان فرمایا ہے اور روئے زمین سے فلک اطلس (عرش) تک کا فاصلہ بھی دیا ہے۔اس پورے بیان کو تفصیل سے جدید سائنس کی دریافتوں اور بین الکہکشانی فاصلوں کے ساتھ موازنہ کرنے کی ضرورت ہے، چونکہ یہ کوئی معمولی کام نہیں اور نہ ہی فلکیاتی علوم میں مہارت کے بغیر ان پیچیدگیوں کو سمجھنا آسان ہوگا لہٰذا فی الحال ہم عام طور پر ایک سائنس گریجویٹ کیلئے قابل فہم پیرائے میں قابل بیان چند علمی نکات کو پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

نوری سالوں کے علاوہ اس سے بڑی ایک اور فلکی یا نجمی فاصلوں کی اکائی پارسیک Parsec ہے جو نوری سالوں میں بیان ہوتی ہے۔اور نوری سال سے مراد مروجہ نوری سال (light year) کی سٹینڈرڈ سائنسی معنوں میں لیا جاتا ہے۔فلکیاتی سائنس میں اس اکائی کا نام parsec ہے۔موجودہ سائنسی حوالوں کے مطابق جدید فلکی طبعیات میں 1913 میں ہربرٹ ہال ٹرنر Herbert Hall Turner نے اس اکائی کو متعارف کروایا۔جو ان کے بقول 'parallax of one second سے پہلے اور آخری لفظ کے پہلے تین حروف کو ملا کر بنایا گیا۔چونکہ پارسیک کا تصور ہی بیسویں صدی کی ابتدا میں ہوئی تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ چودہویں صدی عیسوی میں کسی نے اس تصور کو عددی قیمت سمیت بتایا ہو۔اگر ایسا ہوا

باقی صفحہ نمبر 35 پر

احکامات

قرآن سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت

حاجی غلام حسین سرمیکی

پہنچاؤ! میری طرف سے اگر چہ ایک آیت ہی ہو(متفق علیہ) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہمارے آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہے (سورۃ المائدہ آیات 9-10)

اور اس بڑے عذاب سے بچنے کی فکر کرو جو قرآن مجید کے احکامات کو نہ سمجھنے اور احکام الٰہی پر عمل نہ کرنے سے مسلط ہوتی ہے۔ قرآن مجید کو اپنے زبان اُردو میں سمجھنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کے نازل ہونے کا مقصد ہی تمام جہاں کو خبردار کرنا ہے دلیل کے طور پر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل چند آیات کے ترجمے ملاحظ فرمائیں۔ نہایت ہی بابرکت ہے وہ اللہ جس نے یہ قرآن (حق اور باطل میں فرق کرنے والا مجموعہ) اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ سارے جہان والوں کو خبردار کریں (الفرقان آیت 2)

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو اسے مان کر بھلے کام کرنے لگے انہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا آجر ہے اور جو لوگ آخرت کو نہ مانیں انہیں یہ خبر دیتا ہے کہ ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ہمارے مشاہدے اور تجربے میں ہے کہ جو لوگ برس ہا برس سے قرآن مجید کو بغیر سمجھے ہوئے پڑھ رہے ہیں اور محض عربی الفاظ پڑھنے کی مشق تک محدود ہے ان پر کبھی بھی وہ کیفیت شاید طاری نہ ہوتی ہو جو قرآن سمجھ کر پڑھنے والوں پر۔ خود اللہ کا کلام بیان کرتا ہے ترجمہ (اللہ جس نے بہترین کلام اُتارا ہے ایک ایسی کتاب ہے جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہے اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کے طرف راغب ہو جاتے ہیں (الذمر آیات 42)

آج پوری دنیا میں غیر عرب اقوام تراجم سے ہی ہدایت پا کر ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کر رہی ہے اور بڑی تیزی کے ساتھ قرآن کا پیغام پھیل رہا ہے جب کہ ہمارے معاشرے میں (جس میں اسلام اور قرآن سے محبت کے بڑے دعوے ہیں) لوگ قرآنی علوم سے ناواقف ہے بس سنی سنائی باتیں ہے اور قرآن کے الفاظ کو بغیر سمجھے پڑھنے کی ایک جذباتی مشق ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے اندر قرآنی سوچ پیدا نہیں ہو رہی ہے جس کا قرآن اپنے پڑھنے والوں سے مطالبہ کرتا ہے۔ چند ایسی قرآنی آیات کے تراجم پیش کیے جاتے ہیں جس میں اللہ تعالی نے واضح طور پر قرآن حکیم کے نزول کا مقصد اسے سمجھنا اور اس سے ہدایت اور نصیحت حاصل کرنا بیان فرمایا ہے "یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو اللہ تعالی نے رسول کریمؐ پر نازل فرمائی ہے تا کہ لوگ اس کے آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں"

جو لوگ قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس کی آیات پر غور وفکر نہیں کرتے اور اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمتوں یعنی دل، آنکھوں اور کانوں کو قرآن سمجھنے کیلئے استعمال نہیں کرتے ان کے بارے میں اللہ تعالی کیا فرماتا ہے اور ان کا انجام کیا ہونے والا ہے اسے بھی قرآن مجید کی آیات کے تراجم کے حوالوں سے نوٹ فرمالے تا کہ قرآن مجید کو سمجھ کر نہ پڑھنے والوں کی آنکھیں ابھی سے کھل جائے اور وہ اپنے ہی بھلائی کے لئے فوری طور پر قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی طرف بھرپور توجہ دے "اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے جن وانسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے کیونکہ ان کے پاس دل ہے مگر وہ اس سے

(حق) سوچتے نہیں۔ان کے پاس آنکھیں ہے لیکن وہ اس سے (حق) دیکھتے نہیں ان کے کان ہے مگر وہ اس سے (حق) بات سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ گئے گزرے۔

(الاعراف آیت 180)

قرآن مجید ایک ایسی نعمت ہے جس کے بارے میں خصوصی طور پر جواب طلبی کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے پوری امت مسلمہ پر یہ فرض عائد ہوتی ہے کہ وہ اس الٰہی پیغام کو دنیا بھر کے انسانوں تک پہنچائیں کیونکہ حضور اکرمؐ آخری رسول ہے اور صاحب عصر وزمانؑ زمانہ غیب میں ہے۔لہٰذا رسول اللہؐ کی وفات کے بعد اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن کا پیغام گھر گھر پہنچائیں۔بقول قرآن مجید یہاں تک کہ جب سب جہنم میں آجائیں گے تو ان کا رب ان سے پوچھے گا کہ تم نے میری آیت کو جھٹلادیا اگر یہ نہیں تو پھر تم کیا کرتے رہے تھے (النحل: 85) "اور وہ کہیں گے کاش ہم (اللہ کی ایات) سنتے اور سمجھتے تو آج اس بھڑکتی ہوئی آگ کے سزاواروں میں شامل نہ ہوتے اس طرح وہ اپنے قصور کا خود اعتراف کریں گے سو لعنت ہے ان دوزخیوں پر۔ (الملک آیات 12-11)۔اس کے ساتھ ہی یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھیں کہ انسان کا اصل دشمن نفس امارہ اور شیطان ان لوگوں کو باآسانی گمراہ کرنے اور رکھنے میں کامیاب ہوجاتا ہے جو اللہ کی ذکر اور قرآن سے غفلت برتتے ہیں یعنی جو قرآن سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اسے ہدایت کا اصل ذریعہ نہیں جانتے اور اسے اپنا راہنما نہیں بناتے پھر اوپر سے یہ غلط فہمی بھی کہ ہم ہی سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ گمراہ ہوتے ہیں کیونکہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے (الزخرف آیات 40-37) لہٰذا قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی اشد ضرورت ہے اس لئے بھی کہ بقول قرآن مجید اللہ کی باتوں کو بدل دینے کا کوئی مجاز نہیں اور اس کے سوا کہیں کوئی جائے پناہ نہ پاؤ گے۔

ملک عزیز پاکستان کی مثال لے لیں جہاں آزادی کے وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہترین نعمتوں سے نوازا مثلاً پانی سے لے کر پٹرول تک، مٹی سے لے کر سونا تک، رنگ برنگے پہاڑ ہر طرح کے کھانے کی چیزیں اور صنعت وحرفت یہاں تک کہ لوگ بھی انتہائی محنتی اور ذہین وفطین مگر ہم اللہ سے کئے گئے وعدے کو بھول گئے اور دنیا کی زندگی میں کھو گئے ہم نے اللہ کے احسان اور اس کی دی ہوئے نعمتوں کی قدر نہ کی اور قوم سبا کی طرح ناشکری کی اور احسان کے بدلے ہم نے ظلم وزیادتی اور بداعمالیاں کیں۔لوٹ مار کا بازار گرم رہا اور لوگ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے میں لگے رہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ناشکری اور نافرمانی کرنے پر سخت عذاب کی تنبیہ کی تھی۔نتیجہ کے طور پر پہلے کئی چھوٹے عذاب اور آفتیں آئیں تاکہ ہم سنبھل جائیں مثلاً مہنگائی، بے روزگاری، قتل وغارت، نفرت، دشمنی، نئی نئی بیماریاں، بے سکونی، خشک سالی، قحط اور زلزے، سونامی، لوگوں کا بے گھر ہونا اور اب طوفان نوح کی طرح سیلاب جس نے آدھے ملک کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور جس کا اثر تمام ملک پر بھی پڑا۔صد افسوس یہ کہ ہم ان آفتوں سے ڈر کر اللہ سے رجوع ہوتے اور اس کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق چلتے بلکہ الٹا کھیل تماشوں، جھوٹ، فریب اور لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہے اور شیطان کو خوش کرنے میں لگے ہوئے ہیں

آیئے ہم سب مل کر اجتماعی اور انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوکر اپنی اپنی گناہوں کی معافی مانگیں سوائے اس کے اور کوئی عذاب کو ٹال نہیں سکتا۔رجوع الی اللہ ہوں اور عبادات میں اخلاص ہو جس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن مجید جو راہ بھی ہے اور رہبر بھی ہے اس کو پڑھے، سمجھے اور احکامات پر سختی سے عمل پیرا ہو تاکہ خوف الٰہی دلوں میں قائم ہو اس طرح شاید اللہ کو ہم پر رحم آجائیں اور ہم اللہ کی مدد کا حقدار ہو۔شرط یہ ہے کہ ہم استغفار کرتے رہیں اور دائمی طور پر عہد کریں کہ ہم اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اپنے آپ کو اپنے گھر والوں کو اپنے حسن سلوک اور معاملات کو چلائیں گے۔اللہ تعالیٰ محمد اور آل محمدؐ پر بے شمار برکت رحمت اور سلامتی نازل فرما اور ان کی وساطت سے تمام مسلمانوں کو ہدایت اور بخشش عطا فرما۔ سلامتی ہو اُن پر جو ہدایت کی پیروی کرتے ہیں۔امین

☆☆☆☆☆

عملیات

ایک مسلمان کی معاشرتی ذمہ داریاں

ایم بشیر، چھوربٹ پرتوک

یوں تو اللہ اور اس کے رسول نے بنی نوع انسان کے لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بارے میں قرآن پاک اور احادیث کی روشنی میں لوگوں کو اس امر سے واقف کیا۔ اور رسول اکرمؐ جو بھی پیغام لے کر اس دنیا میں مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اور اس مشعل راہ پر طمانیت کا قدم اٹھائے ہوئے منزل مقصود کی جانب رواں دواں ہونا چاہیے۔ اور اسی راہ راست پر چلے بغیر انسان کامیابی وکامرانی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ اس کا مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہمیں مکمل قیدی بنایا ہے۔ اللہ پاک سب سے زیادہ رحم والا ہے۔ اس نے انسان کو زمین میں خلیفہ بنا کر بھیجا اور آزادی دی کہ چاہے وہ برائی کرے یا اچھائی کرے۔ اور ساتھ ساتھ بشیر ونذیر رسول کو بھی بھیجا۔

اور فرمایا اگر تو راہ راست پر آنے والا نہ ہو۔ تو میں اس دن تم سے نمٹ لوں گا۔ جس دن تمہارا کوئی سفارشی تمہارے کام نہیں آئے گا ان لمحات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ جس دن انسان اپنے معبود کے سامنے پیش ہوگا اور اس دن اعمال کی جانچ پڑتال کر کے حق وانصاف کے ساتھ اسے اچھے اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا ملے گی۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان تبدو مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ. ترجمہ: اور خواہ تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ تم سے حساب لے گا۔ (سورہ البقرہ ۲۸۴)

قیامت کے روز اللہ کی عدالت میں آپ کا محاسبہ ہوگا۔ جس میں شامل ایک حقوق اللہ دوسرے حقوق العباد ہیں۔ اسلام کے پانچ بنیادی اصول نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، کلمہ ان پانچ ارکان کو حقوق اللہ کہا جاتا ہے۔ اگر چہ اس کے علاوہ بھی انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں۔ اس کے بعد بندوں کے حقوق یعنی حقوق العباد جن میں والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، میاں بیوی کے باہمی حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، شاگردوں کے حقوق، اساتذہ کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق غیر مسلموں کے حقوق بھی شامل ہیں۔ ان تمام حقوق کی پاسداری ہمارے فرائض میں شامل ہیں۔ کیونکہ روز محشر ہم اللہ اور اس کے رسول کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ تو جہاں تک دنیا میں چند دنوں کے لیے خداوند کریم نے ہمیں پیدا کیا ہے ہمیشہ اسی بندگی کرو اور حلال چیزیں کھاؤ، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ یاایھا الناس کلو مما فی الارض حلالاً طیبا. ترجمہ: اے انسانوں جو چیزیں زمین میں ہیں ان میں سے حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ کیونکہ اس میں تمہارے بھلائی ہے کبھی کسی سے چوری کر کے اپنا اور اپنے اہل وعیال کی کفالت مت کرو۔ اور نہ کسی سے رشوت لے کر اس ناجائز طریقے کو روا رکھنے کی کوشش کرو۔ حدیث میں آیا ہے طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ. حلال روزی کمانا فرائض کے بعد اہم ترین فریضہ ہے۔ فرض کرے اگر آپ کچھ بکریوں کو لے کر کسی چراگاہ کی طرف جا رہے ہوں۔ راستے میں اچانک پہاڑ کے اوپر سے ایک بہت بڑا پتھر گرا اس پتھر کے زد میں آ کر دو بکریاں شدید زخمی ہوگئیں۔ اب آپ نے جلدی میں ایک بکری کو ذبح کیا جبکہ دوسری بکری مر گئی کیا آپ کا دل گوارا کرے گا کہ جو بکری حرام ہوگئی اور آپ حلال کو چھوڑ کر حرام گوشت اپنے بال بچوں کو کھلائیں؟ اسی طرح رشوت بھی حرام ہے حدیث میں ارشاد ہے۔ رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہے۔ یعنی اس کو قیامت کے روز نذر آتش کیا جائے گا۔ کتنا دردناک عذاب ہے ذرا آپ غور کریں۔ اگر جلتے ہوئے آگ میں آپ اپنا ہاتھ ایک منٹ کے

باقی صفحہ نمبر 37 پر

اسلامیات

محرم الحرام کا پیغام اور معنویت

ڈی ایم نوری کریسی

محرم الحرام ایک ایسا اسلامی مہینہ ہے جس سے اسلامی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ گویا تاریخ اسلام اپنی سالانہ گردش ختم کر کے ایک نئی کروٹ بدلتی ہے اور یہاں سے پھر ایک نئے دور کی ابتداء ہوتی ہے۔ نیا سال زندہ قوموں کے لئے نئی اُمنگیں اور تازہ ولولے لے کر آتا ہے۔ نیا سال کی آمد ایک حساس قوم کو آگاہ کرتی ہے کہ اس کی تاریخ کا ایک اہم باب ختم ہو گیا ہے اور اب ایک نیا اہم میثاق العمل شروع ہو رہا ہے اس کے گزشتہ سال کا نامہ اعمال ماضی کے صفحات پر ثبت ہو چکا ہے۔ اب اس کا جائزہ لے کر وہ اپنے مستقبل کے لیئے از سر نو تازہ دم ہو کر اور نئے جوش عمل سے اپنے نصب العین کی طرف آگے بڑھنے میں مصروف ہو جائے۔ گویا نیا سال قوم کے خفتہ اور ستائے ہوئے احساس ذمہ داری کو بیدار، تیز تر اور مستعد کر دیتا ہے۔

اسلامی سال کا پہلا تاریخی کردار ہجرت:

تاریخ اسلام کے نئے سال کا یہ آغاز اپنے ساتھ محض ایک پیغام ہی نہیں لاتا بلکہ اپنے دامن میں دو شاندار تاریخی کردار بھی بطور اسوہ حسنہ گواہی اور رہنمائی کے لیئے لا کر دیتا ہے۔ پہلا تاریخی کردار ہجرت کا واقعہ ہے جو اسلام کے ابتدائی دور ایام محرم میں پیش آیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب دین اسلام کی راہ میں یہ صورت حال پیدا ہوئی کہ اس کے علمبردار کفر کے آگے یا تو سپر ڈال دیں نہیں تو ان کی جانیں ان کی ناکام تمناؤں کے ساتھ ہی ختم کر دی جائیں گی تو اللہ تعالیٰ نے ختم المرسلینؐ کے ذریعہ اپنے فدا کاروں کو یہ حکم دیا کہ اب تم سرزمین حرم سے گوشہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جاؤ جس کا معنی یہ تھا کہ اپنے گھر، وطن مال و متاع، آل اولاد عزیز و اقارب اور خاک وطن کی جملہ مرغوبات کو خدا کی راہ میں تج دو۔ چنانچہ خود ہادی برحق جناب خاتم المرسلینؐ کے جملہ جاں نثاران مکہ سے ہجرت کر گئے، گھر در، اہل و عیال خویش و اقارب الغرض وطن کی ہر متاع عزیز اور ماحول کی ساری وابستگیوں کو رضائے الٰہی کے لیے خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ میں اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے سکونت پزیر ہو گئے اور بالآخر ان کی مسلسل قربانیاں پروان چڑھیں اور مدینہ طیبہ میں وہ تنظیم وجود میں آئی جس نے بتدریج ملک کے معاملات کی تمام اقتدار سنبھالی اور چند سالوں کے اندر تمام خطہ عرب کا کایا پلٹ کر اسلام کے سچے اصولوں کی بنیاد پر اسلامی حکومت قائم کر کے ایک ایسا ماحول تیار کر دیا جس سے ظلم اور فتنہ و فساد کے تمام دروازے بند ہو گئے۔

دوسرا کردار شہادت:

دوسرا تاریخی کردار جس کی یاد یہ ماہ محرم اپنے ساتھ لاتا ہے وہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت عظمیٰ کا اُسوہ حسنہ ہے وہی اسلامی نظام حکومت جس کی بنیاد نبی آخر الزماںؐ نے ہجرت کے اسوہ حسنہ سے رکھی اور جس کو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر عمر بھر میں پروان چڑھا کر تکمیلی صورت میں بطور امانت امت کے سپرد کیا تھا۔ اس میں انحطاط کا آغاز جب ایک بنیادی تبدیلی سے ہونے لگتا ہے یعنی جب جمہوری خلافت کی جگہ خاندانی شخصی اور موروثی بادشاہت لے لیتی ہے اور یزید اسلامی طریق کے خلاف منتخب ہو جاتا ہے اور اسطرح اسلامی دستور کے ایک اہم اصول کو توڑ دیا جاتا ہے تو آپ اس کی تبدیلی کو برداشت نہیں کر سکتے بلکہ یہ راز الم نشرح کر دیتے ہیں کہ نظام اسلامی کے ایک ضابطہ کی حفاظت ہر مسلمان پر اپنی جان سے زیادہ عزیز اور ضروری ہے۔ اسلامی نظام اگر قائم نہ ہو تو اس کے قیام کی سبیل بھی یہی ہے کہ اسوہ ہجرت و جہاد کی پیروی کرتے ہوئے اس کے لئے ہر نوع کی قربانی دی جائے اور اگر قائم ہو کر روبہ زوال ہونے لگے تو اس کو استحکام بخشنے کی راہ بھی صرف ایک ہی یعنی اسوہ شہادت کی پیروی۔۔

باقی صفحہ نمبر 22 پر

بقیہ: نور بخش کے سائنسی افکار

ہے تو صاف ظاہر ہے کہ یہ بات اُس دور کی سائنسی ترقی اور تجربہ گاہی سہولیات کی بنا پر تو ممکن نہیں تھا۔ پھر اس قدر درست اندازوں کے ساتھ اس کی موجودہ فارمولے کے مطابق اسے نوری سالوں میں بیان کرنا یقیناً سائنس کا کمال تو نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ کمال ہمیں نور بخشؒ کی تحریروں میں نظر آتا ہے، جسے شاید صرف کوئی "نور بخشؒ" ہی اپنے روحانی انوار کی بصیرت سے جان سکتا ہے۔ یہ نور کا کمال ہے، اُس نور کا جس کے رفتار کی کوئی حد نہیں۔

اس حساب کتاب پر جانے سے قبل اس اکائی کی تھوڑا سا تعارف کردوں۔ عربی میں 'فرسخ' جو فارسی میں 'فرسنگ' کے برابر ہے فاصلے کی اکائی ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ فاصلے کی اکائیاں زمینی، فضائی یا ہوائی، آبی اور فلکی فاصلوں کیلئے مختلف ہوتے ہیں۔ زمینی فرسخ تقریباً 18000 فٹ یا 6 کلومیٹر کے لگ بھگ ہے۔ موجودہ اعشاری نظام (میٹرک سسٹم) کی ترویج سے قبل دیگر مقداروں کی طرح اس کی بھی مختلف ممالک اور نظاموں میں مختلف پیائش ہوتی تھی۔ کہیں یہ موجودہ چار کلومیٹر کے آس پاس میں ہے تو کہیں اس سے کچھ زیادہ یا کم۔ اور زیادہ سے زیادہ چھ کلومیٹر کے قریب۔ اب اسی طرح آبی فرسخ، ناٹیکل مائل nautical mile اور ہوائی یا فضائی فرسخ اسی حساب سے پیائش ہوتی تھی۔

فلکی یا نجمی austronomical فرسخ یعنی فلکیاتی اجسام کے مابین فاصلوں کی پیائش کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ جب بات فلکیاتی فاصلوں سے متعلق ہو تو یہاں فرسخ یا فرسنگ سے مراد فلکی یا نجمی فرسخ ہی ہوتی ہے جسے مختصراً فرسخ / فرسنگ ہی لکھتے ہیں۔ فلکی فاصلوں کی اس اکائی کا جدید سائنس میں انگریزی کی اصطلاح parsec ہے جو لگتا ہے عربی لفظ فرسخ (phersech) سے ہی ماخوذ ہے۔ جدید عربی لغت المعانی کے مطابق فلکی یا نجمی فرسخ کو parsec کہتے ہیں۔ تاہم صرف لفظ فرسخ کی جگہ parsec لکھنے سے شاید بات پوری نہیں ہوگی جب تک اسے مکمل نوری سال کے معنوں میں نہ لیا جائے۔ ایک پارسیک (فلکی فرسخ / فرسنگ) ہبل کے قانون کے مطابق 3.262 نوری سال کے برابر ہے۔ دراصل یہ وہ فاصلہ ہے جو کسی بھی اجسام فلکی کے کسی نقطے سے زمین اور سورج کے مراکز سے تک خط کھینچے سے ایک سیکنڈ درجے کا زاویہ بنائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایک نقطے کے گرد 365 درجے زاویے ہوتے ہیں، ایک درجے میں ساٹھ منٹ اور ایک منٹ میں ساٹھ سیکنڈ ہوتے ہیں۔ اب یوں سمجھ لیں ایک فلکی جسم F سورج S اور زمین E فاصل کر ایک مثلث بناتی ہے۔ اب اگر زاویہ SFE ایک آرک سیکنڈ arc second (یعنی ایک ڈگری زاویے کا 3600واں حصہ) ہو تو سورج سے اس فلکی مقام تک کا فاصلہ ایک فلکی فرسخ یا parsec ہے۔ جو فلکیاتی فاصلوں کی دوسری اکائی یعنی نوری سالوں میں تبدیل کرنے پر تقریباً 3.262 نوری سال کے برابر ہوتا ہے۔ اسے اگر فلکیاتی اکائی میں لیں تو ایک پارسیک 206,264.81 AU کے برابر بنتا ہے جبکہ ایک فلکیاتی اکائی (astronomical unit AU) سے مراد زمین سے سورج تک کا فاصلہ ہے۔ اب چونکہ نوری سال ہمارے لیے زیادہ وقیع نہیں۔ لہٰذا ہم یہ کوشش کریں گے کہ فلکی فرسخ parsec کو اس مستقل عدد constant number 3.262 سے ضرب دے کر فاصلوں کو نوری سالوں میں بیان کریں۔ ویسے اگر اس اکائی parsec کو زمینی فاصلوں کی حساب سے لکھیں تو یہ 30.9 ٹریلین کلومیٹر بنتا ہے یعنی 309 کے بعد گیارہ صفر۔

کتاب نوریہ میں فلکی فاصلوں کے اعداد ابجد کبیر میں اور اکائی فلکی / نجمی فرسنگ میں بیان ہوئی ہے۔ چونکہ پوری کتاب نور اور رفتارِ نور سے متعلق ہے لہٰذا ہر بار رفتارِ نور کہنے کی بجائے محض سالوں میں فاصلے کی اکائی بیان کیا جاتا ہے جس کا مطلب ہے نوری سال اور مہینے۔ چونکہ ابجد کبیر میں ایک حرف کے آگے پیچھے ہونے یا تبدیل ہونے سے عدد بدل جاتی ہے لہٰذا یہاں درست عدد کیلئے مستند قلمی نسخوں کا حوالہ نہایت مناسب اور ضروری ہوگا۔ یہاں پر کتاب نوریہ کے مترجم جناب غلام حسن حسنو کی ترجمے اور حساب کتاب سے استفادہ کی گئی ہے۔

"مرکز خاک سے فلک نجم تک 3641 فرسنگ ہے۔ یہ فلک الافلاک کا نصف قطر ہے مکمل قطر اس کا دوگنا یعنی 7282 فرسنگ ہے اور یہ کم از کم مسافت پر قیاس کرتے ہوئے 23373 سال 5 ماہ اور 7 روز اور ثلثین روز یعنی نصف دن کی مسافت ہے" اب جو دلچسپ ترین بات ہے وہ یہ ہے کہ عدد 23373 سال کے ساتھ 5 ماہ اور سات روز مسافت کی بات ہے وہ

دراصل نوری سالوں میں فاصلہ ہے اور یہ فاصلہ عدد 7282 کو 3.21 سے ضرب دینے سے حاصل ہوتی ہے جو جدید ضعف سے صرف پانچ فیصد فرق یعنی 0.05 ہے۔ اصل حاصل ضرب 23375.22 بنتا ہے۔ اور مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ سالوں کے علاوہ مہینوں اور دنوں اور گھنٹوں تک میں نوری فاصلہ دیا ہے۔ جو جدید فلکی فاصلوں کی اکائی پارسیک کو نوری سالوں میں تبدیل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

جدید سائنسی حساب کتاب کے مطابق ہمارے کہکشاں ملکی وے کی مرکز سے زمین تک کا فاصلہ 8 کلو پارسیک ہے، اور ملکی وے کا قطر تقریباً 34 کلو پارسیک ہے۔ یوں اگر ہم ان دونوں کا فرق معلوم کریں تو ہمارے پاس زمین سے ہماری کہکشاں کے کناروں تک کا فاصلہ آ جائے گا۔ جو اندازاً 26 کلو پارسیک بنتی ہے اور نوری سالوں میں اس کی مقدار تقریباً 84 ہزار نوری سال بنتے ہیں۔ نور بخشؒ فرماتے ہیں کہ" فلک الافلاک کا محیط دائرہ تقریباً 80 ہزار سالہ مسافت ہے"۔ یعنی زمین سے فلک الافلاک کے محیط یعنی کنارے تک کا فاصلہ اسی ہزار نوری سال ہے۔ اب ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی 80 اور چوراسی 84 کا فرق ممکن ہے پھیلتی ہوئی کہکشاؤں کی رفتار کی وجہ سے ہو، جو ہبل کی قانون کے مطابق ہے۔ 1929 میں شائع شدہ تحقیق کے مطابق ہبل Hubble نے اپنی حساب کتاب کے بعد یہ ثابت کیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ اس پھیلاؤ کی فارمولے کو ہبل کا قانون کہا جاتا ہے۔ جدید سائنس میں اس سے قبل اس بات کی بھی کوئی ثبوت نہیں۔ نور بخشؒ کے دور سے ابھی تک تقریباً سات صدیاں گزر چکی ہیں۔ یہ جو فرق ہے ممکن ہے ان سات صدیوں میں جو پھیلاؤ ہوا ہے، اس کی وجہ سے ہو۔ اگر ہم تمام مقداروں کو قریبی اندازوں کی بجائے درست عددی قیمتوں میں لکھیں تو ممکن ہے شاید اور بھی حیران کن باتیں سامنے آئے۔

اس سے بھی دلچسپ بات یہ ہے کہ نور بخشؒ فرماتے ہیں "اسی سے معلوم ہوا کہ جب فلک اطلس لطافت کے لحاظ سے اس مقدار میں اتنی مسافت طے کر سکتا ہے حالانکہ وہ عالم اجسام سے ہے تو نفس ناطقہ بھی ایک ساعت بلکہ ایک لمحہ میں لاکھوں دورِ اعظم سیر کر سکتا ہے جو ملکوتی صرف اور لطیف محض ہے یہ سیر حقیقی ہے صرف خیالی اور رتھ ولی نہیں"۔ یہاں چند باتیں توجہ طلب اور وضاحت طلب ہیں:

☆ فلک اطلس میں یعنی ہماری کہکشاں کا تعلق عالم اجسام یعنی physical world سے ہے۔ یہاں طبعی روشنی یا نور ضیاء سے اس طرح کے فاصلے طے کیے جا سکتے ہیں۔

☆ اور جو نور طبعی نور سے بالاتر اور ماورا ہے، نفس ناطقہ یعنی انسانی روح (جب ملکوتی انوار کا حامل ہو تو) ایک ایک لمحے میں لاکھوں دورِ اعظم سیر کر سکتا ہے۔ اور دورِ اعظم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "دورِ اعظم ایک کروڑ اسی ہزار شمسی سال سے عبارت ہے"۔

☆ یہ سیر رفتار خیالی اور رتھ ولی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔

شاید نور بخشؒ کو بجا احساس تھا کہ رفتارِ نور سے زیادہ رفتار کی بات کو لوگ خیالی اور رتھ ولی ہی سمجھیں گے اس لیے واضح کر دیا کہ یہ رفتار خیالی اور رتھ ولی نہیں بلکہ حقیقی ہیں۔ ایک اور مقام پر نور بخشؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا کہکشاں (فلک الافلاک) محدب شکل کا ہے، یعنی بیچ سے موٹا اور کناروں سے پتلا۔

دورِ اعظم جو "ایک کروڑ اسی ہزار شمسی سال سے عبارت ہے" اسے لمحوں میں طے کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ لمحوں میں لاکھوں دورِ اعظم طے کر سکتا ہے۔ کیونکہ مؤمن کی فراست نورِ خداوندی سے دیکھتا ہے۔ جس کے رفتار کی کوئی حد نہیں۔ رفتار کی حد تو صرف طبعی روشنی کیلئے ہے جو لطافت میں مادی اجسام کے مقابلے میں سب سے لطیف ہے۔ مگر یہ پھر بھی مادے کی ہی ایک شکل ہے (بقول آئن سٹائن مادہ اور توانائی اصل میں ایک ہی مظہر کے دو رخ ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے) اور مادہ لامحدود رفتار کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کائنات کی وسعتیں بندۂ مؤمن کی نظروں سے بھی مخفی ہیں، یا ان کو بھی کسی ہبل دوربین کی ضرورت ہے۔ جب بندۂ مؤمن اس نورِ الٰہی سے حصہ پاتا ہے جو زمین اور آسمانوں کا نور ہے۔ تو رفتار کی کوئی حد نہیں رہتی۔

ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ آیت کریمہ اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض میں آسمان جمع استعمال ہوا ہے لیکن کوئی تعداد نہیں۔ زمین وہ حوالے کا محور اور مرکز ہے جہاں بندۂ مؤمن قیام پذیر ہے اور کائنات کو اسی حوالے کے محور سے دیکھتے اور جانتے ہیں۔ یہ جاننے کا ادراک صلاحیت نورِ علم یا نورِ شعور

ہے۔ جس کے رفتار کی کوئی حد نہیں، یوں بندۂ مؤمن جس پر اللہ راضی ہو" بماشاء "اس نور سے حصہ پا سکتا ہے اور طبعی روشنی کی رفتار سے کہیں زیادہ بے پناہ رفتاروں کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس نوری رفتار کی بدولت وہ علم کی ان رفعتوں سے مستفید ہو سکتے ہیں جو سائنس اور طبعی علوم کی بس کی بات نہیں۔

نوربخشی شمسی نظام الاوقات کے مطابق زمانی سالوں کا تعین ربوبیت اور تعین سرمدیت کے مابین فرق واضح کرنے کیلئے قرآن پاک کی آیات کی روشنی میں "دور اعظم" کی تعریف کرتے ہیں جو تین سو ساٹھ ہزار اور ایک کروڑ اسی ہزار شمسی سالوں کے برابر ہیں۔ کتاب نوریہ میں ان آیات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

إِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ٥ (الحج ۴۷)

(ترجمہ) تمہارے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ٥ (المعارج ۴)

(ترجمہ) ایک دن میں فرشتے اور روح اس کی طرف 50 ہزار سال کی مقدار کے برابر چڑھتے ہیں۔

کے تقاضے کے مطابق تعین ربوبیت یا تعین الوہیت یا تعین سرمدیت ہے اور یوم حقیقت میں اجزائے زمان میں سے ایک جزو ہے اگر چہ کائنات میں طلوع شمس سے غروب شمس تک کے وقفے کو دن کہتے ہیں لیکن انفس میں ہر سانس ایک یوم کہلاتا ہے جس میں کسی سورج کا طلوع وغروب نہیں ہوتا ایک سانس میں کئی ہزار ادوار اعظم اس عالم میں سیر کرنا محقق (ثابت) ہے اگر چہ عالم ملک سے تعلق کی بناء پر ہم اسے طئ زمان کہتے ہیں تاہم ملکوتی، جبروتی اور لاہوتی عوالم لطیفہ میں تاویل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔"

نوربخشی عرفانیات میں لفظ "نوربخش" صرف ایک مرشد کامل کا لقب یا اسم علم ہی نہیں بلکہ یہ لفظ نوربخشی مسلک اور مکتب فکر کے تعلیمات کی آئینہ دار بھی ہے جس کی علیحدہ سے کلامی اور معنوی اہمیت کے ساتھ اس لفظ کی تاریخ اہل علم اور اہل عرفان کیلئے نہایت دلچسپی کا باعث ہے۔ خود میر سید محمد نوربخشؒ کو اشارہ غیبی کے تحت اپنے مرشد سے "نوربخش" کا لقب ملنا دراصل اس طویل ریاضت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی روحانی فیوض وبرکات اور مقام کا اعلان تھا، جو سید محمد نوربخشؒ کے حصے میں آیا۔ ایک ایسا مقام جس پر فائز ہونے کی اعلان کے ساتھ ہی مرشد اپنے مرید کا شاگرد بن جاتا ہے، اور اپنے مرید کو مرشد مان کر دوسرے مریدوں کو بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی دعوت دیتا ہے۔ یہ بھی تاریخ کا دلچسپ واقعہ ہے۔ نوربخش کا لفظی معنی ہے نور عطا کرنے والا ہے۔ نور عطا کرنے والا وہی بن سکتا ہے جو خود فیضانِ نور سے مستنیر ہو۔ ان معنوں میں دیکھیں تو سورج اور تمام ستارے نور دینے والا ہے لیکن چاند نہیں، چاند صرف نوربین ہے یعنی روشنی دیکھنے اور اسے منعکس کرنے والا، اسی طرح زمین بھی نوربین ہے۔ ایک چراغ کی مثال لے لیں تو وہ بھی نوردہندہ ہے۔ ان انوار کی معنوی کیفیات اور رموز کو جاننے والا نوروردان کہلاتا ہے۔

جب بندہ وتخلقو باخلاق اللہ کے مصداق صبغت اللہ میں رنگ جاتا ہے تو یہ بھی انہی انوار صفاتیہ کی سی تمازت اور ضیاباریوں کے ساتھ منعکس کر سکتا ہے جو اس پر وارد ہوں۔ ان انوار اور رنگوں کی اقسام اور کیفیات کو سید محمد نوربخشؒ نے انوار المتنوعة الغیبیہ کے عنوان سے اپنی اکثر تصنیفات میں بیان فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: اسلام میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں

کوہی کرنا ہوگا۔ کیونکہ وہ انچارج ہے۔ لیکن اگر کوئی فیصلہ غلط ہو گیا تو اس کی پوری ذمہ داری دنیا اور آخرت میں صرف مرد پر عائد ہوگی۔ پس عورتوں کو کسی بھی حالت میں مرد بننے کی خواہش نہیں کرنا چاہیے۔ اور نہ مردوں کو عورتیں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم کے مطابق مردوں کے فرائض مرد، اور عورتوں کے فرائض عورتیں ہی زیادہ بہتر طریقے سے ادا کر سکتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو اسلامی معاشرے میں عورتوں کے تمام حقوق کا پورا پورا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

بقیہ: ایک مسلمان کی معاشرتی ذمہ داریاں

لیے ڈال دیں تو آپ کے ہاتھ کا کیا حال ہوگا۔ آگ میں آپ اپنا ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ تو پھر کیوں کر اپنے جسم کو جہنم کی آگ میں ڈال سکتے ہیں۔ جہنم کی آگ کو قرآن مجید میں نار کہا ہے جبکہ وہ نار دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ تیز ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ اے اللہ ہمیں آخرت کے دن آگ کے عذاب سے بچا۔ اور ہمیں قرآن وسنت اور ایک اسلامی معاشرے کا سچا مسلمان بن کر ملک وملت کے لیے ہر ممکن قربانی دینے کی توفیق عطا فرما۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی شفاعت نصیب فرما۔ آمین

☆☆☆☆☆

اخبار تصوف

دنیائے تصوف کی خبریں

جی ایم شاہین

مدرسہ صوفیہ تلس کی تعمیر نو

گزشتہ دنوں مدرسہ صوفیہ نوربخشیہ تلس سیلاب کی زد میں منہدم ہوا تھا جس کی وجہ سے خانقاہ معلی میں درس و تدریس کیا جاتا رہا۔ مدرسہ کی ضرورت کے پیش نظر تلس سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکنوں نے متفقہ طور پر دوبارہ مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا جس کے لیے عیسیٰ اور محمد ولد تقی نے زمین وقف کردی گئی۔ سید علی کاظمی نے مدرسہ کی سنگ بنیاد رکھی اور ایک عظیم الشان جلسہ بھی منعقد کیا گیا۔ مدرسہ کی تعمیر کے سلسلے میں لوگوں نے دل کھول کر خیرات دیے۔ تلس سٹوڈنٹس فیڈریشن اور NYF تلس یونٹ ان تمام مخیّر حضرات اور غیور عوام کی تہہ دل سے مشکور وممنون اور دعا گو ہوں جنہوں نے چندہ و عطیات دیے ہیں۔

رپورٹر: محمد امین ، جی ایم پرواز

اعتکاف نشینی

گزشتہ دنوں مسجد شاہ ہمدان صوفیہ نوربخشیہ سکردو میں بوا امین بلخاری کی زیر قیادت تین روزہ اعتکاف نشینی منعقد ہوئی۔ اعتکاف کے اختتام پر ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت جناب بوا فدا حسین سر انجام دے رہے تھے۔ مقررین نے اعتکاف نشینی کی فضلیت پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ رپورٹر: سراج اینڈ گلزار حسین

پرائز ڈسٹریبیوشن فنکشن

امیر آباد سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ایک عظیم تقریب شہید حبیب اللہ میموریل پرائز ڈسٹریبیوشن فنکشن انعقاد کیا گیا۔ محفل کی صدارت جناب صوبیدار میجر محمد خان اور مہمان خصوصی ذوالفقار علی صدر AWA تھے۔ تقریب میں سالانہ امتحان میں پوزیشن لینے والے طلبہ و طالبات میں انعامات تقسیم کییں۔ مقررین نے تنظیم کی کوششوں اور لوگوں میں تعلیمی شعور کو اجاگر کرنے کے سلسلے میں تفصیلی روشنی ڈالی۔

رپورٹر: جاوید اقبال خلیلی

امیر کبیر مسجد صوفیہ نوربخشیہ تلس کی تعمیر نو و توسیع

گزشتہ دنوں تلس میں سیلاب کی تباہی میں امیر کبیر مسجد شہید ہوئے تھے۔ تاہم مسجد کی تعمیر و توسیع کا کام جلد شروع کیا تھا جو کہ پایۂ تکمیل ہے۔ تعمیر نو کے سلسلے میں علی محمد صاحب نے اپنے مکان فی سبیل اللہ وقف کیا۔ مولانا عارف حسین صاحب نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تعمیر و توسیع کا سنگ بنیاد رکھا۔ حاجی غلام مہدی، حاجی حسن اور حاجی ابراہیم کمیٹی ممبران کے زیر اہتمام پایۂ تکمیل تک پہنچایا گیا۔

رپورٹر: محمد امین

ویلکم پارٹی

گزشتہ دنوں امیر آباد سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن راولپنڈی اسلام آباد یونٹ کے زیر اہتمام نئے آنے والے طلبہ کے اعزاز میں ویلکم پارٹی دی گئی۔ پارٹی کی صدارت جناب موسیٰ علی نے کی۔ پارٹی میں تمام ممبران نے شرکت کی اور نئے آنے والے طلبہ کو راولپنڈی اسلام آباد میں خوش آمدید اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ آخر میں دعائیہ کلمات کے ساتھ پارٹی کا اختتام ہوا۔

رپورٹر: نشر و اشاعت سیکرٹری

گزشتہ

گزشتہ دنوں NYF لاہور یونٹ کے نائب صدر غلام علی راجو نے مدرسہ شاہ مردان صوفیہ نوربخشیہ شگر کا دورہ کیا اور مولانا عبداللہ نے مدرسہ کی تعمیر پر روشنی ڈالی۔ اس موقع پر انہوں نے دل کھول کر

عطیہ دیا اور NYF شگر یونٹ کی طرف سے دی جانے والی ٹی پارٹی میں بھی شرکت کی۔

رپورٹر: دلبر شگری

مرکزی مسجد ترکری سرموں کی تعمیر نو

پچھلے سال قدرتی آفات اور دریائی کٹاؤ کی زد میں بلتستان کے تمام قریہ قریہ گاؤں میں تباہی و بربادی ہوئی وہاں متاثرین ترکری کو بھی دریائے شیوک کے طغیانی تند و تیز ظالم لہروں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بے رحم لہروں نے صدیوں سے قائم قدیم الآباد مسجد کو بھی لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا۔ اس طرح لوگوں کی آخری امید بھی دم توڑ گئی۔ اس قیامت صغریٰ کے دوران تمام عمائدین، اہل سرموں، سیاسی شخصیات، ضلعی انتظامیہ، انجمن سرموں کراچی، NGO، NYF گنگ چھے، سکردو اور سرمیک یونٹ نے نہ صرف دلجوئی کی بلکہ رمضان المبارک کی اس تیز دھوپ میں بھوکے پیاسے تن من کی قربانی دی۔

درج بالا حقائق کے پیش نظر ترکری کے غیور عوام اور جرأت مند جوانوں نے اس کار خیر کی انجام دہی کا بیڑہ اٹھایا اور NYF سرموں ترکری یونٹ کے پلیٹ فارم سے اس کار خیر کی بجا آوری کے لیے عزم صمیم کیا۔ اس سلسلے میں ہنگامی میٹنگ بلائی اور تمام لوگوں نے متفقہ طور پر حاجی ابراہیم مانچوا کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا۔ حاجی ابراہیم کی زیر قیادت ترکری یونٹ کے نوجوانوں کے ساتھ یہ بیت اللہ مولوی عبد الحمید کی مبارک ہاتھوں سے افتتاح ہوئی۔ اس پروجیکٹ کے لیے عوام الناس کی لازوال خدمات، صاحب ثروت اور مخیر حضرات کی مرہون منت بیرون ترکری چندہ کے لیے جانے کی ضرورت نہیں آئی اور یوں یہ کار خیر اپنی مدد آپ کے تحت تعمیر ہو رہی ہے۔ یہ مسجد نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن کے پلیٹ فارم سے تعمیر ہونے والا پہلا مسجد ہے۔

رپورٹر: ابوالتوقیر جنرل سیکرٹری،

NYF ترکری یونٹ

این۔وائی۔ایف۔آفس کریس کا قیام

گزشتہ دنوں عید الفطر کے موقع پر مین بازار کریس میں این۔وائی۔ایف آفس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کا باقاعدہ آغاز طالب علم محمد عابدین نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ اس کے بعد عوام الناس کی درود و سلام کی گونج میں مولانا محمد علی عارف نے فیتہ کاٹا۔ خواتین و حضرات نے دل کھول کر عطیات بھی دیے۔ آخر میں تمام نوجوانوں نے ممبر شپ بھی حاصل کر لیا گیا۔

رپورٹر: محمد ابراہیم خلیل

اپیل

الحمد اللہ مدرسہ شاہ مردان صوفیہ نوربخشیہ ہورچس شگر کی تعمیر و توسیع کا کام عوام جوش و جذبہ کے ساتھ جاری ہے۔ اس نیک کام میں اہل محلہ کے تمام پر خلوص لوگوں نے حصہ ڈالا۔ یہ مدرسہ تقریباً ایک کروڑ کی لاگت سے زیادہ رقم پر تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اس کی اتنی لاگت اہل محلہ کی برداشت سے باہر ہے۔ لہذا مخیر حضرات سے چندہ کی اپیل ہے۔

رپورٹر: محمد عسکری دلبر شگری

اجتماعی قربانی

دس ذی الحجہ کو علی پور اسلام آباد میں سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے اجتماعی قربانی پیش کی گئیں۔ جس میں 42 صاحب حیثیت لوگوں نے اجتماعی قربانی پیش کیں۔ نماز کے بعد خطبہ میں غلام حسن سیفی نے قربانی کی اہمیت، فضیلت اور الفقہ الاحوط کی روشنی میں تقسیم کار کے بارے میں بیان کی۔ قربانی کے دن تمام لوگوں کے لیے کھانے کا بندوبست بھی کیا۔

رپورٹر: پریس سیکرٹری

فاتحہ خوانی

انجمن فلاح و بہبود صوفیہ نوربخشیہ علی پور اسلام آباد کے زیر اہتمام انجمن کے ممبر حوالدار موسیٰ سرموں گوند کے والد بزرگوار کی اچانک وفات پر مسجد صوفیہ نوربخشیہ علی پور اسلام آباد میں اجتماعی فاتحہ خوانی کی اور مرحوم کی ایصال ثواب کے لیے دعا کی گئی۔

رپورٹر: پریس سیکرٹری

باقی صفحہ 40 پہ

نامہ سالک

قارئین کے خطوط

جی ایم شاہین

☆ میں نوائے صوفیہ کی پوری ٹیم کا نہایت شکر گزار ہوں جنہوں نے میرا پہلا خط شامل کر کے مجھے مزید لکھنے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اللہ آپ کی پوری ٹیم کو مزید ترقی عطا کرے۔ (جنید حسن جانی)

☆ میں رسالہ کا پرانا قاری ہوں۔ میرے نام صرف 10 رسالہ کی کاپی آتے ہیں جو کہ نا کافی ہے۔ آئندہ میرے نام 15 کاپی بھیج دیں شکریہ۔ ساتھ ہی شمارہ ۱۱۰ اور ۱۱۱ کا ہدیہ مبلغ -/1000 روپے بھیج رہا ہوں۔ (جی ایم پروانہ نمائندہ تلس)

☆ پرانا قاری ہوں شمارہ کی بروقت اشاعت سے بہت خوشی ہوئی۔ بندہ ہمیشہ علامہ صاحب کی عمر درازی اور ادارہ کی پوری ٹیم کے لیے دعا گو رہتا ہوں رسالہ سے جملہ مومنین اور اہل اسلام مستفید ہوتے ہیں۔ (بشارت علی حسنی، دغونی)

☆ نوائے صوفیہ شمارہ ۱۱۳ کا بغور مطالعہ کیا تمام مضامین معیاری اور سبق آموز تھے۔ خصوصاً نوربخشیات میں "نوربخش" کے سائنسی افکار" بہت زیادہ پسند آیا جسے پڑھ کر حیران کن حد تک کئی جدید ترین سائنسی نظریات سے نہ صرف ہم آہنگ ہوا بلکہ کئی تشنہ تحقیق معاملات کے بارے میں بھی رہنمائی ہوئی۔ دعا ہے ذاکر صاحب اس ضمن میں کتاب لکھنے کی خواہش جلد پوری ہو۔ تمام اہل صوفیہ کو اپنے سچے دین پر ثابت قدم رہنے کی توفیق دے۔ امین

(امان اللہ بلغاری، مظفر آباد)

☆ مستقل قاری ہوں یہ گلستان تصوف کا خوبصورت پھول ہے۔ یہ تمام عالم اسلام کے لیے امن و محبت کا پیغام ہے۔ بندہ ناچیز کی طرف سے کچھ سوالات ہیں جواب سے مطمئن فرمائیں۔

(قمر عباس دلشاد سینوی)

☆ نوائے صوفیہ پڑھ کر بہت خوشی محسوس ہوتی ہے۔ پچھلے رسالہ میں علی احمد قمر صاحب کا انٹرویو بہت پسند آیا۔ پہلے بھی مضمون بھیجا تھا مگر شائع نہیں ہوا اس بار ایک اور مضمون ہے ارسال فرمائیں۔ شکریہ

(محمد عسکری دلبر، شگری)

☆ نوائے صوفیہ میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کی دوبارہ باقاعدہ اشاعت پر بہت خوشی محسوس ہوئی۔ میری مضمون میں کچھ ٹائپنگ غلطیاں تھیں جس میں بقیہ جات آپس میں برابر نہیں مل رہے تھے جس کے لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔ دوسری قسط اشاعت کے لیے بھیج دیا ہے۔

(ذاکر حسین ذاکر)

☆ مختلف وجوہات اور مجبوریوں کی وجہ سے کافی عرصہ دور رہا جس کے لیے معذرت ہے۔ رسالہ کی بروقت شائع پر تمام کارکنان کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

(محمد باقر سرینکی)

☆☆☆☆☆

بقیہ آپ کے خطوط

فاتحہ خوانی

انجمن فلاح و بہبود صوفیہ نوربخشیہ علی پور اسلام آباد کے زیر اہتمام انجمن کے ممبر حوالدار موسیٰ سرموں گوند کے والد بزرگوار کی اچانک وفات پر مسجد صوفیہ نوربخشیہ علی پور اسلام آباد میں اجتماعی فاتحہ خوانی کی اور مرحوم کی ایصال ثواب کے لیے دعا کی گئی۔

رپوٹر: پریس سیکرٹری

☆☆☆☆☆